(۱۰۶)

عدلِ منصور

بادشاہ منصور کے پاس عمارہ بن حمزہ آئے بادشاہ نے انھیں اپنے پاس بٹھایا، اتنے میں ایک آدمی نے کھڑے ہوکر بآواز بلند کہا:

"اے امیر المؤمنین، میں مظلوم ہوں!"

بادشاہ نے پوچھا:

کس نے تم پر ظلم کیا؟

وہ بولا

"اس شخص نے جو آپ کے پاس مسند پر بیٹھا ہے!"

پھر بولا:

"یہ عمارہ بن حمزہ ہے، جس نے میری ساری پونجی چھین لی!"

منصور نے حکم دیا، کہ عمارہ اس کے پاس سے اٹھ جائے اور مجرم کے کٹہرے میں جا کھڑا ہو عمارہ نے کہا؛

" اگر وہ جائداد اس کی تھی، تو میں معارضہ نہیں کرتا' یہ سے لے، اور اگر میری تھی، تو میں اسے ہبہ کرتا ہوں' میں اس مجلس سے مجرم کی طرح اٹھنا پسند نہیں کرتا، جہاں امیرالمومنین نے مجھے عزت و حرمت کے ساتھ بٹھایا ہے!'

عفو و درگزر

(روایات و حکایات

(۱۰۷)

عفو نبویؐ!

ایک شخص، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعدا میں سے تھا اس تاک میں لگا رہتا تھا کہ کبھی موقعہ ملے، تو آپ پر قاتلانہ حملہ کرے، ایک مرتبہ دوپہر کو اس نے دیکھا کہ ایک ویران د سنسان مقام پر ایک درخت کے سائے میں آپ قیلولہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت عالم خواب میں تھے کہ اُس شخص نے تلوار سونت لی، اور پکارا:۔

"اے محمدؐ، اب تمھیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟"

آپ نے پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ فرمایا:

"اللہ!"

اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی، کہ اُس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، آنحضرت نے وہ تلوار اٹھائی اور فرمایا:۔

"اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟"

وہ شخص کچھ جواب نہ دے سکا، آنحضرت نے اُسے معاف کر دیا، اور تلوار واپس کر دی، جب وہ اپنے قبیلہ میں واپس آیا تو اس نے لوگوں سے کہا:۔

" اس وقت میں دنیا کے سب سے اچھے انسان کے پاس سے آرہا ہوں!"

---

(۱۰۸)

فاتح مکّہؐ کا عفو!

قریش مکّہ نے آنحضرت کو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دی تھیں، آپ صبر و شکر کے ساتھ ان کی زیادتیوں کو برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ کو مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جانا پڑا۔

پھر کچھ عرصہ بعد، آپؐ مکّہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، اسلامی عساکر مکّہ کی گلیوں میں پھر رہے تھے، اور ہلالی پرچم ہر طرف لہرا رہا تھا، اب سارا مکّہ آپ کے قبضہ میں تھا، مکّہ میں رہنے والے ہر شخص کی زندگی آپ کے ایک اشارۂ چشم پر ختم ہو سکتی تھی، اور یہ سب مکّہ کے رہنے والے وہ لوگ تھے، جنھوں نے بد ترین اذیتیں اور تکلیفیں آپ کو پہنچائی تھیں آپ کی توہین کی تھی، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے آپ کی جان لینے کی سازشیں کی تھیں، نومسلموں کو تپتی ہوئی ریت پر

لٹایا تھا، ان کے سینوں پر گرم پتھروں کی سلیں رکھی تھیں، انھیں نہایت لرزہ خیز اور ہولناک عذابوں کا تختۂ مشق بنایا تھا۔

غرض، ایک فاتح کی حیثیت سے جب آنحضرت مکہ میں داخل ہوئے، تو آپ نے، اب ان لوگوں کو مخاطب فرمایا:

آپؐ نے پوچھا

"تمھارا کیا خیال ہے؟ میں آج تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟"

لوگوں نے کانپتی ہوئی آواز اور لرزتے ہوئے بدن کے ساتھ جواب دیا:

"آپ کریم ابن کریم ہیں!"

یہ سنکر آپ نے فرمایا:

"جاؤ تم آزاد ہو!"

اور اس طرح وہ لوگ جن کے دل سینوں میں دھڑک رہے تھے، جن کے سامنے موت ناچتی ہوئی نظر آرہی تھی، جو اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے، جن کا مستقبل ان کے اعمال کی طرح تاریک اور سیاہ تھا، دفعتہً مسرور و شاداں ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اب موت ان سے دور ہو چکی تھی، زندگی کی نعمت پھر انھیں واپس مل گئی تھی، مستقبل کی تاریکی روشنی سے بدل چکی تھی، اور وہ سزا و عقوبت کے مستحق ہونے کے باوجود، لطف و انعام کی دولت سے سرفراز کیے جا رہے تھے!

کیا دنیا کی تاریخ میں عفو و درگزر کی ایسی ایک مثال بھی مل سکتی ہے؟

(۱۰۹)

حق سے زیادہ بہتر اور افضل

قریش کے دو قبیلوں میں، خون کے ایک معاملہ پر جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا، اور نوبت کشت و خون تک پہنچنے لگی،

اسی اثنا میں ابوسفیان پہنچے اور انھوں نے کہا:

"اے گروہ قریش ـــــ تم اپنا حق حاصل کرنا چاہتے ہو، یا وہ چیز جو تمھارے حق سے بھی کہیں زیادہ افضل اور بہتر ہے؟"

لوگوں نے پوچھا:

"وہ کیا چیز ہے؟"

ابوسفیان نے جواب دیا:

"وہ چیز ہے عفو و درگزر!"

ان الفاظ کا ایسا اثر ہوا کہ لڑنے والے لوگ دوست بن گئے، اور صلح ہوگئی!

(۱۱۰)

حاتم طائی کی لڑکی!

جب طے کے قیدی، آنحضرتؐ کے سامنے پیش ہوئے، تو ان میں ایک خوبصورت اور فصیح اللسان عورت بھی تھی۔

وہ کہنے لگی:

" اے محمدؐ ـــــ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے آزاد کر دیں میں اپنے قبیلہ کے سردار کی لڑکی ہوں، میرا باپ گناہگاروں کو معاف کر دیتا تھا، بھوکے کو شکم سیر ہو کر کھانا کھلاتا تھا، ننگے کو لباس عطا کرتا تھا، امن اور سلامتی کا جویا رہتا تھا کسی حاجت مند کی استدعا کو رد نہیں کرتا تھا، وہ حاتم طائی تھا، میں اس کی لڑکی ہوں!"

آنحضرت نے فرمایا:

" یہ مومنین کی صفات ہیں ـــــ اسے آزاد کر دو، اس کا باپ مکارم اخلاق کو پسند کرتا تھا!"

(۱۱۱)

حضرت جعفر صادق

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام کھڑا ہوا آپ کے ہاتھ دھلا رہا تھا، اتنے میں لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر طشت میں گر گیا، چھینٹیں اڑ کر، آپ کے چہرۂ مبارک پر پہنچیں آپ نے غضبناک نظروں سے اُسے دیکھا؛

غلام نے کہا:

"اے میرے آقا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" "غصہ کر پی جانے والے۔

آپ نے فرمایا:

"میں نے اپنا غصہ پی لیا"

وہ بولا

"اور لوگوں کو معاف کردینے والے ـــــــ

آپ نے فرمایا

"میں نے تجھے معاف کیا"

وہ کہنے لگا :

"اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے !"

آپ نے فرمایا ،

"جا ، میں نے خدا کی خوشنودی کے لئے تجھے آزاد کیا !"

---

(۱۱۲)

قیدی یا مہمان؟

معن بن زائدہ نے کچھ قیدیوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، ایک قیدی ان کی طرف مخاطب ہوا، اور اس نے کہا؛

"ہم بھوکے اور پیاسے ہیں، اس حالت میں ہمیں قتل نہ کیجئے خدا کی قسم، امیر کا کرم، اس بدسلوکی سے بعید ہے!"

معن نے حکم دیا، فوراً کھانا لایا گیا، ان لوگوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا، جب کھا پی چکے تو معن سے کہا:

"اے امیر، خدا آپ کو عمر طویل عطا فرمائے، اب تک ہم آپ کے قیدی تھے، اور اب ہم آپ کے مہمان بن چکے ہیں، کیا آپ اپنے مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک روا رکھیں گے کہ انھیں قتل کر دیں؟"

معن نے کہا "جاؤ میں نے تمھیں معاف کیا!"

ایک قیدی بولا "آپ کی فتح مندی سے آپ کی درگزر بہتر ہے!"

معن نے سب کو انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا!

(۱۱۳)

محمد بن عمران اور مامون

محمد بن عمران نے، ایک شاندار محل، خلیفہ، مامون کے محل کے سامنے بنوالیا، دراندازوں نے چغلی کھائی کہ محمد بن عمران اب اتنا بڑھ گیا ہے کہ آداب شاہی کی پرواہنیں کرتا، وہ اتنا گستاخ ہوگیا ہے کہ اس نے عین شاہی محل کے سامنے اپنا ذاتی محل بنواکر کھڑا کردیا یہ حرکت قابل سزا ہے۔

یہ باتیں سنکر مامون نے محمد بن عمران کو بلوایا، اور کہا

"میرے قصر کے سامنے، تم نے اپنا قصر بنوانے کی جرأت کیسے کی؟"

محمدؒ بن عمران نے جواب دیا،

یا امیر المومنین ــــــ جن نعمتوں کی آپ نے مجھ پر فراوانی کی ہے، میں چاہتا ہوں، انھیں آپ اس محل کی صورت میں ہر روز ملاحظہ فرماتے رہیں!"

مامون کو یہ جواب پسند آیا اور اس نے معاف کردیا!

(۱۱۴)

حاضر جواب مجرم!

خلیفہ ہارون رشید ایک مرتبہ حمید طوسی پر خفا ہوا، اور تلوار منگوائی تاکہ اُسے قتل کر دے!

حمید رونے لگا!

رشید نے پوچھا:

"تو رو کیوں رہا ہے؟"

حمید نے جواب دیا

"خدا کی قسم، اے امیر المؤمنین میں موت سے نہیں ڈرتا، وہ تو ایک ناگزیر چیز ہے، ہر شخص کو ایک روز مرنا ہے، روتا اس پر ہوں کہ اس حالت میں دنیا سے جا رہا ہوں کہ امیر المؤمنین مجھ سے برہم ہیں ——!"

اس حاضر جوابی سے خوش ہو کر، ہارون نے اُسے معاف کر دیا!

(۱۱۵)

خلیفہ کا مجرم

کوفہ کا ایک آدمی خوارج کے ساتھ مل کر زوال حکومت کی سازشوں اور سرگرمیوں میں شریک ہوگیا، خلیفہ منصور نے اس کا خون بحل کر دیا اور اعلان کر دیا جو شخص اُسے زندہ یا مردہ لائے گا، اُسے ایک لاکھ درہم انعام ملے گا۔

کچھ عرصہ بعد، وہ شخص بغداد میں ظاہر ہوا، اس اثنا میں کہ وہ چوری چھپے، بغداد میں گھوم رہا تھا، کوفہ کے ایک آدمی نے جو پہلے سے اُسے جانتا تھا، پہچان لیا، اس نے ایک بھرے مجمع میں اس کا گریبان پکڑ لیا، اور چلایا:

"یہ امیر المؤمنین کا باغی ہے!"

اسی اثنا میں اس شخص نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی دھر ملتفت ہوا، تو دیکھا معن بن زائدہ آرہے ہیں، وہ ان سے فریاد رنے لگا، اور کہا:

" مجھے پناہ دیجئے، خدا آپ کو اس کا اجر دے گا! "

معن اس کی طرف جو اس باغی کا دامن پکڑے ہوئے تھا مخاطب ہوئے، اور پوچھا:

" تو کون ہے؟ اور اس آدمی کو کیوں پکڑے ہوئے ہے؟

وہ بولا

" یہ امیر المؤمنین کا باغی ہے، جس کا خون انھوں نے جائز کردیا ہے، اور اس شخص کے لئے ایک لاکھ درہم اعلان مقرر کیا ہے جو اُسے پکڑ لائے گا "

معن نے یہ سنکر کہا؛

" اسے چھوڑ دے! "

پھر وہ اپنے غلام سے مخاطب ہوئے،

" تو اپنے گھوڑے سے اتر جا، اور اس شخص کو (باغی کو) اس پر بیٹھ جانے دے؟ "

وہ آدمی جو اس باغی کو پکڑے ہوئے تھا، زور زور سے چیخنے لگا، اور لوگوں سے مدد چاہنے لگا، اور کہنے لگا:

" یہ شخص میرے اور امیر المومنین کے باغی کے درمیان حائل ہوگیا ہے! "

معن نے کہا'

" تو جا' اور امیر المومنین کو اطلاع دے دے کہ وہ باغی میرے پاس ہے !"

وہ آدمی فوراً منصور کے پاس پہنچا اور اُسے سارا ماجرا سنا دیا۔

منصور نے حکم دیا :

" معن کو طلب کیا جائے !"

جب معن کو منصور کا حکم پہنچا' تو انھوں نے اپنے تمام اہل بیت کو اولاد و اقارب' دوستوں' اور ساتھیوں کو جمع کیا' اور ان سے کہا

" جب تک تم زندہ ہو' اس شخص کو چشم زخم نہ پہنچنے پائے !"

پھر معن منصور کی طرف روانہ ہوئے' دربار میں پہنچکر خلیفہ کو سلام کیا' لیکن منصور نے جواب نہیں دیا' اور کہا

" اے معن' کیا اب تمھاری جرأت اتنی بڑھ گئی ہے ؟"

معن نے کہا

" جی ہاں یا امیر المؤمنین !"

خلیفہ نے کہا

" اور پھر اس پر ہاں بھی ؟"

معن نے جواب دیا'

" کیا آپ مجھے اس کا اہل نہیں سمجھتے کہ ایسے شخص کو مجھے بخش دیں، جسے میں پناہ دے چکا ہوں، حالانکہ اس نے میری پناہ اسی لئے ڈھونڈھی کہ وہ جانتا ہے میں امیر المؤمنین کے غلاموں میں سے ایک ہوں، لیکن میں حاضر ہوں، جو سلوک بھی آپ میرے ساتھ روا رکھیں اس کے لئے تیار ہوں!"

تھوڑی دیر تک منصور سر جھکائے رہا، پھر اس نے سر اٹھایا اب اس کا غصہ رفع ہو چکا تھا، اس نے کہا:

" ہم نے تمھاری بات مان لی!"

معن نے عرض کیا:

" پھر اُسے کچھ صلہ بھی دیجئے، جو اُسے مستغنی کر دے!"

منصور:

ہم پانچ ہزار درہم دیتے ہیں!"

معن:

" خلفا کا صلہ، گناہ کی مناسبت سے ہوتا چاہیے، اس شخص کا گناہ جتنا بڑا تھا، اتنا ہی بڑا صلہ بھی ہونا چاہیے!"

منصور:

" اچھا ایک لاکھ درہم!"

"اچھا ایک لاکھ درہم!"

معن، یہ ساری دولت لے کر گھر پہنچے، اُسے اس شخص کے حوالہ کیا، اور کہا:

"یہ تمھارا صلۂ بغاوت ہے، بھاگ جاؤ، اپنے بال بچوں کے ساتھ چین کی زندگی بسر کرو، اور اب کبھی خلیفہ کی مخالفت نہ کرنا!"

عفّت اور نزاہت

(۱۱۶)

علی اور بنتِ علی -!

ابن علی رافع روایت کرتے ہیں کہ :-

میں حضرت علی بن ابی طالب کے بیت المال کا محافظ اور نگراں تھا، اس بیت المال میں، موتی کا ایک ہار تھا، جو جنگ بصرہ میں حاصل ہوا تھا، میرے پاس حضرت علی کی صاحبزادی نے پیام بھیجا کہ

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیرالمومنین کے بیت المال میں موتیوں کا ایک ہار ہے، اور وہ تمھارے قبضہ میں ہے، وہ عاریتہً مجھے بھیج دو، عید کے دن میں اُسے پہنوں گی پھر واپس کر دوں گی !"

میں نے وہ ہار بھیج دیا، اور جواب میں یہ کہلا بھیجا :

"اے بنت امیرالمومنین اسے تین دن کے بعد واپس کر دیجئے گا!"

ہار جب گھر میں پہنچا، تو امیرالمومنین کی اس پر نظر پڑی انھوں نے اپنی بیٹی سے کہا :

"یہ ہار تمھارے پاس کہاں سے آیا ؟"

وہ بولیں :

" یہ ابن ابی رافع سے یوں ہی عاریتہً میں نے منگوایا ہے عید کے دن اسے استعمال کروں گی پھر واپس کر دوں گی ! "

امیرالمومنین نے فوراً مجھے بلوایا، میں حاضر ہوا، فرمایا :

" ابن ابی رافع، تم خیانت بھی کرنے لگے ؟ "

میں نے عرض کیا :

" معاذ اللہ ! "

فرمایا :

" پھر تم نے بنتِ امیرالمومنین کو بیت المال کا ہار عاریتہً کیسے دے دیا ؟ حالانکہ نہ مجھ سے اجازت لی، نہ مسلمانوں سے ! "

میں نے گزارش کی ۔

" یا امیرالمؤمنین وہ آپ کی صاحبزادی ہیں، انھوں نے مجھ سے عاریتہً ایک چیز مانگی میں نے دے دی، اس شرط پر کہ ۳ دن میں صحیح و سالم مجھے مل جائے گی ! "

ارشاد ہوا :

ابھی واپس لو، اور اب اگر ایسی حرکت تم نے کبھی کی تو میری عقوبت سے نہ بچ سکو گے ! "

پھر فرمایا :

• اگر میری لڑکی نے، یہ ہار عاریتہً نہ منگایا ہوتا، تو یہ پہلی ہاشمی لڑکی ہوتی، چوری کے الزام میں جس کے ہاتھ میں قطع کراتا!"

یہ بات بنت امیرالمؤمنین تک پہنچی، انھوں نے اپنے باپ سے کہا :

"یا امیرالمؤمنین! میں آپ کی لڑکی ہوں، آپ ہی کا گوشت پوست ہوں، مجھ سے زیادہ اور اس کا مستحق کون ہے؟"

فرمایا -

"اے ابن ابی طالب کی بیٹی کیا مہاجرین اور انصار کی تمام لڑکیاں اس عید پر ایسا ہار پہنیں گی؟"

پھر وہ ہار میں نے لے لیا، اور بیت المال میں رکھ دیا!

(۱۱۷)

ابنِ ہند اور ابن فاطمہ

ایک مرتبہ ابن معاویہ حج کے ارادہ سے مکّہ آتے ہوئے مدینہ سے گزرے، وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ انھوں نے بہت داد و دہش کا سلوک کیا، جو لوگ مال و دولت کے لئے آئے، ان میں حضرت حسنؓ بن علی نہیں تھے، جب وہ ملنے تشریف لائے تو معاویہ نے کہا:

"مرحبا مرحبا، آپ نہیں آئے، یہاں تک کہ ہمارے پاس جو کچھ تھا وہ ختم ہوگیا!"

حضرت امام نے فرمایا:

"آپ خالی ہاتھ کیسے ہوسکتے ہیں جب کہ ساری دنیا کا خراج آپ کے پاس آتا ہے؟"

امیر معاویہ نے کہا

"میں ابن ہند ہوں، میں نے جو کچھ اہل مدینہ کو دیا ہے وہی آپ کو بھی دیتا ہوں!"

حضرت امام نے ارشاد فرمایا :-
"میں اُسے واپس کرتا ہوں ——— میں فاطمہ الزہرا
کا بیٹا ہوں !"

(۱۱۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیز

خاندان بنی مروان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سب سے زیادہ عفیف اور عدیل تھے، وہ مروان بن الحکم کے صاجزادے تھے آپ کے والد مصر کے گورنر تھے۔

آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب آپ کے شرا کے وفد آتے تھے، تو آپ انھیں کچھ نہیں دیتے تھے، اپنے صاجزادے سے کہلا دیتے تھے کہ ان لوگوں سے کہہ دو:

"میں خدا کی نافرمانی سے ڈرتا ہوں!"

آپ نے بیت المال سے اپنے یا اپنی اولاد کے لئے کبھی کچھ نہیں لیا، جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ نے اپنے بچوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، وفات کے وقت آپ نے اپنی اولاد کو جمع کیا آپ کی آنکھیں پرنم تھیں اور آپ فرمار ہے تھے!

"بیٹو، دو ہی صورتیں تھیں، یا تو تمھارا باپ جہنم کا لقمہ بنتا یا تمھارے

لئے نقد نا تہ چھوڑ جاتا، میں نے دوسری صورت اختیار کی، میں تمہارا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔"

اس وقت، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس، مسلمہ بن عبدالملک موجود تھے، انھوں نے چالیس ہزار درہم حضرت کو ہبہ کر دیئے تاکہ یہ رقم وہ اپنی اولاد میں تقسیم کر دیں، مسلمہ نے یہ رقم دیتے وقت کہا،

"میں خوشی سے یہ رقم پیش کر رہا ہوں ——!"

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا

"میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ یہ رقم تم ان لوگوں میں تقسیم کر دو، جن سے ظلم و جور کر کے تم نے یہ حاصل کی تھی!"

پھر آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں، یہ واقعہ سنہ ۱۰۱ھ کا ہے، آپ نے ۲ برس اور پانچ مہینے تک خلافت کی!

(۱۱۹)

دیانت کی انتہا

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ ایک رات، رعیت کے کوائف اور حالات کا مطالعہ، چراغ کی روشنی میں کر رہے تھے، اتنے میں غلام آیا، اور وہ باتیں کرنے لگا یہ باتیں امورِ خانہ داری سے متعلق تھیں :

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا،

"پہلے چراغ بجھا دو، پھر باتیں کرو، اس لئے کہ یہ تیل مسلمانوں کے بیت المال کا ہے اس کا استعمال صرف مسلمانوں کے مفاد ہی کے سلسلہ میں جائز ہو سکتا ہے!

---

(۱۲۰)

خلیفہ کی بیٹیاں!

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک غلام بیت المال کا خازن تھا
عرفہ کے دن، ایک مرتبہ حضرت کی صاحبزادیاں تشریف لائیں اور فرمایا
"کل عید ہے، دوسری عورتیں ہمیں ملامت کریں گی کہ تم امیرالمؤمنین
کی لڑکیاں ہو، لیکن تمھارے پاس سفید کپڑے تک نہیں جو آج کے
دن پہن سکو!"

یہ کہہ کر وہ رونے لگیں۔

یہ باتیں سنکر حضرت کا دل بھر آیا، آپ نے اپنے غلام کو بلایا
اور اس سے کہا:

میری ایک مہینہ کی تنخواہ لادو!"

خازن نے کہا

"یا امیرالمؤمنین، وہ تو پہلے ہی آپ لے چکے، کیا آپ کو امید ہے ایک
مہینہ تک زندہ رہ سکیں گے جو ایک مہینہ کی تنخواہ پیشگی طلب کر رہے ہیں؟"

یہ باتیں سنکر، حضرت نے کہا

"بارک اللہ، تو نے بڑی اچھی اور سچی بات کہی!"

پھر حضرت اپنی صاحبزادیوں کی طرف مخاطب ہوئے جو اس انتظار میں بیٹھی تھیں کہ روپے لے کر جائیں گی، ان سے آپ نے فرمایا:

"بیٹیو، اپنی خواہشوں کو روکو، کیونکہ جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا، جب تک وہ کچھ قربانی نہ کرے!"

(۱۲۱)

کون بازی لے گیا ؟

مروان بن ابی حفصہ کا بیان ہے :

معن بن زائدہ بیان کرتے ہیں ایک زمانہ میں خلیفہ منصور نے مجھے طلب کیا، اور اس شخص کے لئے جو مجھے اس کے پاس لے جائے مالی انعام بھی مقرر کیا، میں اس شدت طلب سے بہت گھبرایا ہوا تھا، آخر میں اپنا بھیس بدل کر ایک اونٹ پر بیٹھا اور بادیہ کی راہ لی تاکہ وہیں مقیم ہو جاؤں اور کسی کے ہاتھ نہ آسکوں ۔

جب میں باب حرب پہونچا جو بغداد کا ایک محلہ تھا، تو میں نے دیکھا، ایک شخص، اسود تلوار حمائل کئے میرا پیچھا کر رہا تھا۔ جب میں آگے نکل گیا، اور تنہا رہ گیا، اس نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور اُسے بٹھا دیا، پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، میں نے کہا

"کیا بات ہے ؟"

وہ بولا

"تجھ ہی کو امیر المومنین ڈھونڈ وا رہے ہیں ؟"

میں نے کہا :

" میں ایسا کیا ہوں کہ امیرالمؤمنین کو میری تلاش ہوگی ؛"

وہ کہنے لگا :

"کیا تو معن بن زائدہ نہیں ہے ؟ "

میں نے جواب دیا :

" خدا سے ڈرو' کہاں میں کہاں معن ؟ "

وہ گویا ہوا

" یہ باتیں چھوڑ و' خدا کی قسم میں تمھیں خوب پہچانتا ہوں' تم سے بھی زیادہ' جتنا تم اپنے آپ کو پہچانتے ہو اس سے بھی زیادہ"

جب میں نے دیکھا یہ کسی طرح میرا پیچھا نہیں چھوڑتا' میں نے اس سے کہا :

" یہ جواہر کا مالا ہے' اس کی قیمت اس انعام سے بہت ہی زیادہ ہے جو منصور نے میرے گرفتار کر لانے والے کے لئے مقرر کیا ہے' اسے لے لو' اور مفت میں میرا خون نہ کراؤ ! "

وہ بولا

" لاؤ وہ مالا ! "

میں نے جیب سے نکال کر وہ ہار اُسے دے دیا!"

کچھ دیر تک وہ ہار کو دیکھتا رہا، پھر کہا

"اس کی قیمت کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا بالکل ٹھیک ہے لیکن تمھیں میرے ایک سوال کا جواب دینا پڑے گا، تب ہی میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

میں نے کہا

"کیا ہے وہ سوال؟"

وہ بولا

"لوگ تمھارے جود وسخا کی تعریف کرتے ہیں، مجھے بتاؤ، تم نے مجھے یہ ہار دے کر کیا اپنی ساری دولت بخش دی؟"

میں نے کہا

"نہیں!"

اس نے پوچھا،

"اچھا نصف؟"

میں نے جواب دیا۔

"آدھی بھی نہیں!"

اس نے پھر دریافت کیا:۔

" اچھا ایک تھائی ؟ "

میں نے کہا

" وہ بھی نہیں ! "

اس نے کہا

" اچھا دسواں حصّہ ؟ "

میں نے کہا

" ہاں ! "

یہ سنکر وہ بولا

" یہ تو کوئی بڑی بات نہ ہوئی، خدا کی قسم! ابوجعفر منصور ہر مہینے مجھے صرف بیس درہم تنخواہ کے دیتا ہے، اور اس ہار کی قیمت لاکھوں درہم ہے، لیکن اپنے مقابلہ میں میری سخاوت دیکھو یہ ہار میں تمھیں بخشے دیتا ہوں، تاکہ دنیا جان لے ہم دونوں میں زیادہ سخی کون ہے ؟ "

پھر اس نے وہ مالا میری گود میں ڈال دیا، اونٹ کی نکیل چھوڑ دی، اور چلا گیا؛

میں نے کہا

" اس ذلت کے مقابلہ میں قتل ہوجانا بہتر تھا، تو نے جو کچھ

دیا ہے، وہ بے لے، میں اس سے بے نیاز ہوں!"

"وہ ہنسا، اور گویا ہوا،

"تو مجھ سے زیادہ سخی بن کر مجھے جھٹلانا چاہتا ہے، واللہ میں ہنس لوں گا، اور وہ چلا گیا!"

(ابن خلکان)

(۱۲۲)

ابراہیم بن ادھم

حکایت ہے کہ ابراہیم بن ادھم نے ایک باغ میں نہر کے اندر سیب بہتے ہوئے دیکھا' انھوں نے سوچا :

اس کی کیا قیمت ہو سکتی ہے ؟"

اور اُسے کھا لیا، کھا لینے کے بعد دل میں خیال آیا کہ کہیں یہ کھا لینا ناجائز اور حرام نہ ہو' یہ سوچ کر وہ باغ کے مالک کے گھر پہنچے' اور دروازہ کھٹکھٹایا' ایک جاریہ باہر نکلی' ابراہیم نے کہا'

میں باغ کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں !"

" وہ ایک عورت ہے " وہ بولی

اس سے کہد دیں ملنا چاہتا ہوں "

مالکہ آئی اور ابراہیم نے سیب کا سارا ماجرا اس سے کہہ ڈالا '

وہ کہنے لگی' اس باغ کا نصف حصہ میرا ہے اور نصف سلطان کا' اپنا حق تو میں معاف کرتی ہوں"۔

سلطان بلخ میں تھا' ابراہیم مسافت طے کرتے ہوئے بلخ پہنچے' اور اس سے جب بھی

امانت ودیانت

(۱۲۳)

نبیؐ امین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اوائل عمر ہی سے اپنے صدق اور امانت کے لحاظ سے مقبول و معروف تھے، یہ دونوں صفات انبیاء و مرسلین کے اہم ترین صفات ہیں آپ کو ساری قوم "امین" کے معزز نام سے یاد کرنے لگی تھی، لوگ آپ کے پاس امانتیں رکھواتے تھے۔ بنارِ کعبہ کے وقت جب قریش میں اختلاف پیدا ہوا کہ حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر کون رکھے گا، تو یہ فیصلہ ہوا سب سے پہلے کل جو شخص حرمِ کعبہ میں داخل ہوگا، اسی کے ذمہ یہ بارِ امانت ڈالا جائے گا۔ صبح سب سے پہلے آنحضرتؐ داخلِ حرم ہوئے، یہ واقعہ نبوت کے منصب پر سرفراز ہونے سے قبل کا ہے، لوگ پکار اٹھے:

"یہ محمدؐ ہے، یہ امین ہے، ہم اسے حکم بناتے ہیں!"

ایک شخص نے رسول اللہؐ کے بدترین دشمن ابوجہل سے پوچھا:

"یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی نہیں، سچ کہنا محمدؐ سچے ہیں یا جھوٹے؟"

ابوجہل نے کہا:

" خدا کی قسم محمدؐ صادق ہیں، محمدؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا!"
لیکن اپنے عناد اور استکبار کے باعث وہ ایمان کی دولت سے محروم رہا؛

ہرقل نے ابوسفیان سے جبکہ وہ کافر تھے پوچھا

" کیا محمدؐ کے دعوائے نبوت سے پہلے بھی تم نے ان پر کذب کا الزام کبھی لگایا تھا؟

ابوسفیان نے کہا

" نہیں!"

بن ابی حارث نے مکذبین قریش سے کہا:

" محمد تم میں پروان چڑھا، تم نے اُسے اپنے دامن میں پروان چڑھایا، وہ تم میں سب سے زیادہ سچا، سب سے زیادہ امین تھا (جس کا تمھیں اعتراف رہا) اور اب کہ اس کی کنپٹیوں پر بڑھاپے کے سفید بال نمودار ہو چکے ہیں، وہ تمھارے پاس اسلام کی دعوت لے کر آیا، تو تم کہتے ہو، وہ جادوگر ہے، ساحر ہے، نہیں خدا کی قسم وہ ساحر نہیں!"

(۱۲۴)

اَمانت کا امتحان

عبداللہ بن عمرؓ ایک غلام چرواہے کے پاس سے گزرے، جو اپنے آقا کی بکریاں چرا رہا تھا، ارادہ کیا اس کی امانت کا امتحان لیں، پوچھا:

"ان میں سے کوئی بیچو گے؟"

وہ بولا:

"مالک یہاں نہیں ہے!"

ابن عمر نے کہا:

"دے دو، کہہ دینا بھیڑیا کھا گیا!"

راعی نے جواب دیا

"خدا سے ڈرو!"

عبداللہ بن عمر اس واقعہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس غلام کو اس کے مالک سے خرید لیا، اور پھر اُسے آزاد کر دیا، بکریوں کا گلہ بھی خرید لیا، اور اس آزاد کردہ غلام کو ہبہ کر دیا!

---

(۱۲۵)

ابو عبیدہ بن الجراح

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت ابو عبیدہ
کو چار ہزار درہم، اور چار دینار بھیجے اور قاصد سے کہہ دیا:
"دیکھنا ابو عبیدہ کیا کرتے ہیں؟"
قاصد نے واپس آکر بیان کیا،
"انھوں نے ساری رقم تقسیم کر دی!"
حضرت عمرؓ نے پھر اتنی ہی رقم حضرت معاذ کو بھیجی اور قاصد سے کہہ دیا
"دیکھنا، معاذ کیا کرتے ہیں؟"
قاصد نے واپس آکر کہا
"ساری رقم تقسیم کر دی، سوا ایک چیز کے جس کی ان کی بیوی
کو ضرورت تھی!"
حضرت عمر یہ سنکر بہت خوش ہوئے،
یہ وہی حضرت ابو عبیدہ ہیں جن کے بارے میں آنحضرت
نے اہل نجران کے ایک وفد سے فرمایا تھا:

"میں تم میں ایک ایسے آدمی کو بھیج رہا ہوں، جو بہت اچھا امین ہے (آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے)

(طبقات کبیر)

---

(۱۲۶)

امین تاجر!

ابن خریف بیان کرتے ہیں :۔

میرے والد مجھ سے کہتے تھے، میں نے احمد بن حسب دلال کو کچھ کپڑے دیئے، اور کہا :

" ان کپڑوں کو فروخت کر آؤ، لیکن ان میں جو عیب ہے وہ خریدار سے بیان کر دینا، میں نے ایک کپڑے کا داغ بھی دکھا دیا!" وہ چلا گیا، دن ڈھلے واپس آیا، اور قیمت مجھے دے دی، اور کہا

" اتنے دیناروں میں، میں نے ایک نو وارد عجمی کے ہاتھ فروخت کر دیا!"

میں نے کہا :۔

"کیا تم نے کپڑے کا عیب بھی دکھایا تھا ؟"

وہ بولا :۔

"نہیں میں بھول گیا"

میں نے کہا ۔

"لاجزاک اللہ خیراً، چل میرے ساتھ!"

میں اس کے ساتھ ساتھ چلا، ہم اس کی قیامگاہ پر پہنچے مگر وہ نہیں ملا، ہم نے پوچھ گچھ کی، تو پتہ چلا وہ حجاج کے ایک قافلہ کے ساتھ مکہ روانہ ہو گیا؛

میں نے دلال سے اس آدمی کا حلیہ پوچھا، پھر فوراً ایک سواری کرایہ پر لی اور قافلہ سے جا کر مل گیا، وہاں اس آدمی کو تلاش کیا، وہ مل گیا، میں نے کہا

"آپ نے کل فلاں کپڑا دلال سے خریدا تھا، اس میں ایک عیب تھا، وہ واپس کر دیجئے، اور اپنے دام لے لیجئے!"

وہ اٹھ کھڑا ہوا، کپڑا نکال لایا، داغ دیکھا اور کہا:

"اے شیخ دینار نکالئے!"

میں نے اس کے دیناروں کو نہ پرکھا تھا، نہ گنا تھا، نکال کر دیسے کے دیسے دے دیئے، وہ بولا

میں نے بھی کھوٹے سکے دیئے تھے!"

پھر اس نے وہ پھینک دیئے، اور کھرے سکے دے دیئے؛

---

(۱۲۷)

امانت دار فقیر!

ایک فقیر مصر کی جامع مسجد کے دروازے پر بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا، کچھ دولت مند لوگ ادھر سے گزرے، اس نے دستِ طلب دراز کیا، مگر کچھ نہ ملا،

ان لوگوں میں سے ایک کی جیب سے ایک تھیلی گر پڑی جس میں پانچ سو دینار تھے، ان کے جانے کے بعد فقیر کی نظر پڑی، اس نے اٹھا کر رکھ لی اور مٹی کے نیچے چھپا دی؛ اتنے میں دیناروں کا مالک آیا، اس نے فقیر سے کہا

"یہاں میری ایک تھیلی رہ گئی ہے اس میں پانچسو دینار تھے تجھے تو نہیں ملی؟"

فقیر نے کہا

"ملی ہے!"

پھر اس نے وہ تھیلی پیش کر دی:۔

وہ شخص بہت خوش ہوا، کہا:

" اب میں تجھے ۱۵ دینار دوں گا ! "

وہ بولا :

" میں نے آپ سے ایک چیز بطور احسان کے مانگی تھی، لیکن اب کچھ نہیں لوں گا ! کیونکہ اب اگر کچھ قبول کروں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دین دے کر دنیا لے لوں !"

وہ شخص شرمندہ ہو کر چپ چاپ واپس چلا گیا !

جود و سخا

(۱۲۸)

حضرت عثمان کی دریا دلی

روایت ہے کہ :-

سیدنا عثمان غنیؓ نے جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاریاں فرما رہے ہیں، اور بیت المال میں اتنا روپیہ نہیں ہے کہ جنگ کی تیاریاں اور ساز و سامان مکمل ہو سکے، تو آپ نے سامانِ جنگ کی فراہمی اور تیاری میں مالی حصہ لیا، ایک ہزار اونٹ، ساٹھ گھوڑے اور دس ہزار دینار آنحضرت کی خدمت میں اپنی طرف سے پیش کئے :-

آنحضرت نے یہ پیش کش قبول کر لی، اور فرمایا :-

"اے اللہ، عثمان سے راضی ہو، میں بھی اس سے راضی ہوں۔"

(۱۲۹)

مدینہ کا قحط!

سیدنا ابوبکرؓ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا یہاں تک کہ لوگ بھوک سے مرنے لگے، اسی زمانہ میں حضرت عثمان کا کارواں تجارت شام سے آیا، جس میں چربی، زیت، منقیٰ وغیرہ تھے، نیز ایک ہزار اونٹ میں تھے، یہ سب چیزیں آپ کے گھر میں جیسے ہی پہنچیں، بہت سے تاجر آئے، اور کہا؛

"یہ سب چیزیں ہمارے ہاتھ فروخت کر دیجئے!"

آپ نے پوچھا:

"کتنا نفع دو گے؟"

وہ بولے:

"ہر درہم پر پانچ درہم!"

آپ نے فرمایا:

"میں تو ہر درہم پر دس سے بھی زیادہ لینا چاہتا ہوں!"

لوگوں نے کہا:-

"یہ تو غبن فاحش ہے!"

آپ نے فرمایا:۔

"اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ ہر درہم کے بدلے دس درہم دے گا، تم زیادہ دو تو بات کرو!"

وہ بولے:

"نہیں ہم نہیں دے سکتے!"

حضرت نے کہا

"گواہ رہنا یہ مال میں صدقہ کرتا ہوں!"

پھر اُسے فقرائے اہل مدینہ میں تقسیم کر دیا!

---

(۱۳۰)

دریادلوں کی کہانیاں

(۱)

خالد بن عبداللہ القسری، بہت سخی اور فیاض تھے، ان کے ایک دوست نے انھیں خط لکھا، جس میں انھیں ترغیب دی کہ وہ اپنا ہاتھ روکیں، اور زمانہ کے انقلابات سے ڈریں۔"

خالد نے جواب دیا:

"تم مجھے اس چیز سے ڈراتے ہو جو سلامتی کی بنیاد ہے، اس چیز سے روکتے ہو جسے خدا نے واجب کیا ہے؟ میں حق کا راستہ ترک نہیں کر سکتا، اگرچہ کیسے ہی انقلابات آئیں۔

(۲)

محمد بن عمر ایک سخی اور جواد شخص تھے، ایک اعرابی نے ان کے ہاتھ میں انگشتری دیکھی اور طلب کر لی، محمدؐ نے انگوٹھی دیتے ہوئے کہا

"اس کے نگینہ کی حفاظت کرنا! اس کی قیمت سو دینار ہے!"

اعرابی نے نگینہ نکال کر محمد کے ہاتھ پر رکھ دیا، اور کہا
"یہ آپ کو مبارک، مجھے تو صرف چاندی چاہیئے!"
محمد نے کہا
"خدا کی قسم تو مجھ سے زیادہ سخی ہے!"

(۳)

حاتم طائی کی بہن بھی بہت سخی تھی جو کچھ ہاتھ آتا، سب خرچ کر دیتی، کچھ باقی نہ رہتا، اس کے بھائیوں نے ایک مرتبہ اُسے ایک کوٹھری میں قید کر دیا، اور کھانے پینے کو بھی نہیں دیا، ایک آدھ دن کے بعد اُسے یہ سمجھ کر رہا کر دیا کہ اب فقر اور بھوک کا اُسے احساس ہو گیا ہوگا، لہٰذا، فضول خرچی نہیں کرے گی،

رہا ہونے کے بعد، اس نے ایک سائلہ کو دیکھا اور اُسے اپنا سارا مال دے دیا، کہنے لگی:

میں نے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں، ان کے بعد میں کسی مصیبت زدہ کے لئے ہاتھ روک نہیں سکتی!

(۱۳۱)

صلاح الدین ایوبی

حکایت ہے کہ :-

بادشاہ صلاح الدین ایوبی نے، جنگ حطین (۵۸۳ھ) جب بادشاہ فرنگ اور اس کے بھائی کو مع والی کرک کے گرفتار کرلیا۔ توسب کو اپنے سامنے طلب کیا۔

ارناط (صاحب کرک) بڑا ملعون کافر تھا، اور بہت جابر و سنگدل اس نے مسلمانوں کے ایک قافلہ سے مردوں اور عورتوں پر بڑے عذاب توڑے تھے اور انھیں طرح طرح کے عذاب دیئے تھے، اور کہا تھا،

"اپنے محمدؐ سے کہو وہ تمھیں بچا لے!"

یہ خبر جب سلطان صلاح الدین کو پہنچی، تو اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ ارناط کو قتل کرکے رہے گا، اب جب وہ گرفتار ہوا تو اس کا عزم قتل پھر تازہ ہوگیا، فوراً اُسے اور بادشاہ فرنگ کو مع اس کے بھائی کے طلب کیا، بادشاہ فرنگ کو پیاس لگی، سلطان نے اس کے لئے ٹھنڈا پانی منگوایا، اُس نے پی لیا، پھر ان سب سے قطع نظر کر کے

ارناط کی طرف مخاطب ہوا، اس سے کہا:

"اب محمد کی مدد پہنچ گئی!"

اور پھر اس کی گردن اڑا دی، اور خیمہ کے باہر پھینک دی

یہ دیکھکر بادشاہ فرنگ بہت خوف زدہ ہوا، وہ سمجھا یہی اب مجھ پر بھی گزرے گی، سلطان نے اُسے بہت تسلی دی، اُسے مطمئن کیا، اور کہا:

"بادشاہ، بادشاہ کو قتل نہیں کرتے، لیکن یہ شخص حد سے تجاوز کر گیا تھا!" پھر ارناط کے مظالم کی پوری کہانی سنائی:

سلطان نے جب عکا فتح کیا، تو تمام اسیروں کو رہا کر دیا، اور انھیں انعام واکرام بھی دیا:

(۱۳۲)

دشمن سے فیاضانہ سلوک

جنگ صلیبی کے زمانہ میں، سلطان صلاح الدین کے خلاف سارا یورپ امنڈ پڑا تھا، فرانس، انگلستان، جرمنی، تمام ممالک کے بادشاہ خود اپنی فوجوں کی کمان کرتے ہوئے بیت المقدس پر حملہ آور ہوئے تھے۔

رچرڈ شیردل، عکا میں، ۳ رجب المرجب ۵۸۷ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۱۹۱ء کو پہنچا، اس کا مسلمانوں کی ایک کشتی سے سامنا ہوا، اس نے مقابلہ کیا اور تقریباً سب کو غرق کر دیا

کچھ دنوں کے بعد یہ بادشاہ اور فرانس کے بادشاہ فلپ آگسٹس بیمار پڑے، ان کی شرارت اور ان سے جنگ کے باوجود سلطان نے اس وقت تک جب تک یہ بیمار رہے، میوے پھل اور برف کی رسد کا مکمل انتظام اپنی طرف سے کر دیا :-

(۱۳۳)

صلاح الدین اور رچرڈ

سلطان صلاح الدین نے اپنے ایک طبیب کو مع ضروری ادویہ کے رچرڈ شیر دل کے علاج کے لئے بھیجا، جو سخت بخار میں مبتلا تھا جب طبیب پہنچا، اس نے حاجب سے اجازت طلب کی اندر جانے کی، وہ بولا:

"بادشاہ سو رہا ہے، میں اسے نہیں جگا سکتا ——— تم کیوں آئے ہو؟"

طبیب نے کہا،

"مجھے سلطان صلاح الدین نے معالجہ کے لئے بھیجا ہے!"

دربان نے کہا،

"کیا دشمن کا طبیب بادشاہ کو اچھا کر سکتا ہے؟ اے طبیب تو واپس چلا جا، سلامتی اسی میں ہے، تو تو، تو اگر خود سلطان صلاح الدین آ جائے، تو میں اپنے بادشاہ کو جگانے والا نہیں، نہ کہ تیرے کہنے سے تو تو محض ایک قاصد ہے!"

طبیب نے جواب دیا۔

"اے حاجب، یاد رکھ ہماری قوم تجھ سے ڈٹ کر مقابلہ کر رہی ہے، اور کرے گی، ہم کریم الاخلاق ہیں تجھے نفع پہنچانا چاہتے ہیں، تیرے بادشاہ کی شفایابی کے جویا ہیں جا اپنے آقا کے پاس، اور اس سے میرے لئے اجازت طلب کر، ممکن ہے اس کی شفا میرے ہی ہاتھ پر لکھی ہو ——— کتنے تعجب کی بات ہے میں تمہارے بادشاہ کی شفایابی چاہتا ہوں، لیکن تم نہیں چاہتے، یہ کتنے شرم کا مقام ہے، کوئی شک نہیں، تم ڈرتے ہو، لہذا، تم کسی لعنت کے مستحق نہیں ہو، میرے آقا صلاح الدین نے غلطی کی جو مجھے یہاں بھیجا ——— !"

حاجب نے کہا

"ہم اپنی جان کے لئے نہیں ڈرتے، لیکن اپنے بادشاہ کے لئے بیشک ڈرتے ہیں!"

بادشاہ رچرڈ نے یہ باتیں سن لیں اور پکارا؛

"کون باتیں کر رہا ہے؟ کیوں اے دربان تو یہ چاہتا ہے کہ مجھے جگا کر تکلیف پہنچائے؟"

دربان بولا:۔

"نہیں میرے آقا ـــــــ یہ طبیب آیا ہے، جسے سلطان صلاح الدین نے بھیجا ہے، بڑی دیر سے یہ جھگڑ رہا ہے، یہ اندر آنا چاہتا ہے، اور میں منع کرتا ہوں!"

رچرڈ شیر دل نے کہا

"جسے صلاح الدین نے بھیجا ہے، اسے تو میرے پاس آنے سے روک رہا ہے؟ ـــــــ اے طبیب تو میرے پاس آ، میں تیرے سلطان کا اداشناس ہوں، وہ ہر اعزاز و اکرام کا مستحق ہے اس کا بھیجا ہوا، قاصد بھی ہر عزت اور کرامت کا سزادار ہے تو یقیناً میرا مرض اچھا کر دے گا، حالانکہ تو میرے بد ترین دشمن کا بھیجا ہوا طبیب ہے، ـــــــ کیا واقعی تجھے سلطان نے بھیجا ہے؟ کیا واقعی وہ اتنا اچھا آدمی ہے؟ ـــــــ لیکن اس کی ضمانت کون دے گا کہ تو اپنے دعوے میں سچا ہے؟"

طبیب نے کہا:

میرا تیرے پاس آنا ہی سب سے بڑی ضمانت ہے، اے بادشاہ! میں تیرا دشمن ہوں، تو مجھ سے ڈرتا ہے، میں تجھ سے ڈرتا نہیں، تو جانتا ہے میرا آقا، سلطان صلاح الدین سچا ہے، وہ جھوٹ نہیں بولتا، وہ تیرے خیال سے نہیں ڈرتا، وہ اس کا محتاج

نہیں کہ مجھے زہر دے کر مارے، وہ چاہتا ہے تو اچھا ہو جائے، وہ نہیں چاہتا تو لبستر پر مرے، وہ چاہتا ہے تو جنگ کے میدان میں مرے، جو بہادروں کے مرنے اور جان دینے کی بہترین جگہ ہے!"

رچرڈ نے کہا:

"اے طبیب تو نے سچ کہا، آ، اور جو تیرا جی چاہے کر۔!"

پھر اپنے حاجب سے کہا،

"اگر میں اچھا ہو جاؤں، تو اس شخص کو پورا پورا انعام ملے اگر مر جاؤں، تو میرے خون کا اس سے کوئی مطالبہ نہ کرے!"

طبیب نے دوا پلائی اور بالآخر بادشاہ اس کے علاج سے اچھا ہو گیا!

شجاعت و شہامت

(۱۳۴)

شجاعت رسول

آنحضرتؐ کی شجاعت اور دلیری سب سے بڑھی ہوئی تھی!

حضرت علی فرماتے ہیں:

"میدان جنگ میں جب خطرہ بڑھ جاتا تھا تو ہم رسول اللہ کے دامن سے لگ جاتے تھے، وہ دشمن سے، سب سے زیادہ قریب رہتے تھے!"

جنگ بدر میں ابی بن خلف آپ کے قریب آیا اور پکارا:

"محمد کہاں ہیں؟ میں انھیں قتل کروں گا!"

یہ کہہ کر وہ آنحضرت کی طرف حملہ کرنے کے لئے لپکا، صحابہ آپؐ کے اور اس کے مابین حائل ہوگئے، مگر آپ نے فرمایا "اسے آنے دو! اسے راستہ دے دو!"

پھر آپ نے ایک صحابی سے حربہ لے لیا اور اس پر وار کیا وہ وار کھا کر گر گیا اور ہلاک ہوگیا۔ آنحضرت نے اپنی ساری زندگی میں، اس شخص کے علاوہ کسی کو قتل نہیں کیا!

(۱۳۵)

حضرت علیؑ کی بہادری

غزوۂ خندق میں عرب کا بہت بڑا اور مشہور پہلوان عمرو بن عبدود میدان میں آیا، اور نعرہ زن ہوا:

"ہے کوئی لڑنے والا؟"

حضرت علی کھڑے ہوئے اور کہا

"یارسول اللہ میں جاؤں گا!"

آپ نے فرمایا:

"بیٹھ جاؤ جانتے نہیں یہ عمرو ہے!"

دو مرتبہ اس کے بعد پھر عمرو نے مبارزطلبی کی، ہر مرتبہ آنحضرت نے حضرت علی کو یہی کہکر بٹھا دیا۔ اب کی بار حضرت علی نے کہا

"میں لڑوں گا اگرچہ وہ عمرو ہی کیوں نہ ہو!"

رسول اللہ نے اجازت دے دی، اپنی شمشیر عطا فرمائی پھر اپنا عمامہ مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر ان کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی:-

حضرت علی، عمرو کے سامنے پہنچے، وہ آپ کو پہچان نہیں پایا کیونکہ
وہ لوہے میں غرق تھا، اس نے کہا،

"تم کون ہو؟"

آپ نے فرمایا:

"علی"

وہ بولا:

"ابن عبد منات؟"

فرمایا:

علی بن ابی طالب،

عمرو نے کہا

"اے ابن اخی کسی اور کو بھیج، جو تجھ سے زیادہ مضبوط و توانا
ہو، میں تیرا خون بہانا نہیں چاہتا، کیونکہ تیرا باپ، میرا دوست تھا۔"

حضرت علی نے فرمایا:

"خدا کی قسم تیرا خون بہانے میں مجھے ذرا بھی تامل نہ ہوگا!"

عمرو کو غصہ آگیا، اور وہ لڑنے کو تیار ہوگیا حضرت علی نے فرمایا:
میں کس طرح مقابلہ کروں جب کہ تو گھوڑے پر سوار ہے اور
میں پیادہ پا؟ میرے ساتھ تو بھی زمین پر آجا۔"

عمرو گھوڑے سے اتر آیا، دونوں ایک دوسرے سے گتھ گئے عمرو نے وار کیا، حضرت علی کا سر مبارک زخمی ہو گیا، حضرت علی نے وار کیا، گردن پر، وہ اڑ گئی، مسلمانوں نے جوش میں آ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا،

فاتح خیبر

غزوۂ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، ہر روز ایک صحابی کو، قلعہ سر کرنے کے لئے بھیجا، لیکن کوئی فتح نہ کرسکا؛

ایک روز آپؐ نے فرمایا:-

" کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا، جسے اللہ اور اس کا رسول چاہتے ہیں، اللہ اسی کے ہاتھ پر فتح دے گا!"

دوسرے روز آپ نے حضرت علی کو طلب کیا آپ آشوب چشم میں مبتلا تھے، آنحضرت نے اپنا لعاب دہن آپ کی دونوں آنکھوں پر لگایا، پھر ارشاد فرمایا:

" یہ جھنڈا لو، اور آگے بڑھو، یہاں تک کہ خدا تمھیں فتح دے!"

پھر آنحضرت نے حضرت علی کی کامیابی کے لئے دست دعا بلند کئے، حضرت علی جھنڈا لے کر آگے بڑھے، اور قلعہ کے نیچے پہنچے، قلعہ والے مقابلہ کے لئے نکلے، ایک بہادر سامنے آیا جسے آپ نے قتل کردیا

پھر مقتول کا بھائی مقابلہ کے لئے آیا، اس نے آتے ہی زور دار حملہ حضرت علی پر کیا۔ حضرت علی نے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ ڈالا، اور جھپٹ کر اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا، آپ لڑ رہے تھے، اور وہ دروازہ آپ کے ہاتھ میں تھا، یہاں تک کہ خدا نے آپ کو فتح مرحمت فرمائی، پھر آپ نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔

اس دروازہ کا طول، اسی بالشت تھا اس اٹھانے کی ساٹھ آدمیوں نے کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اس سے حضرت علی کی فرط قوت اور فرط شجاعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

---

(۱۳۸)

ہادی اور ایک خارجی

خلیفہ عباسی ہادی، اپنے گدھے پر سوار ہو کر نکلا، اپنے ایک باغ میں پہنچا، خالی ہاتھ تھا، تلوار تک پاس نہیں تھی بعض مصاحب ساتھ تھے، اتنے میں اطلاع ملی کہ فلاں باغی خارجی کو، آپ کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا ہے، ہادی نے فوراً اُسے حاضر کرنے کا حکم دیا، وہ لایا گیا، دو آدمی جو مسلح تھے، اُسے پکڑے ہوئے تھے، خارجی نے جب ہادی کو دیکھا تو زور لگا کر اپنے کو چھڑا لیا اور ایک آدمی سے تلوار چھین کر ہادی کی طرف حملہ کرنے کے لئے بڑھا، یہ منظر دیکھکر سب بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن ہادی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی، یہاں تک کہ خارجی بہت قریب آگیا اور تلوار سونت لی کہ ایک ہی وار میں خاتمہ کر دے!

ہادی نے خارجی کے پس پشت اشارہ کرتے ہوئے کہا!

اے غلام اس کی گردن اڑا دے!"

حالانکہ وہاں کوئی غلام نہیں تھا، لیکن یہ آواز سنکر خارجی نے

پیچھے مڑ کر دیکھا، ہادی جلدی سے اترا اور خارجی کی گردن پکڑ لی پھر اسی سے تلوار چھین لی، اور اسی تلوار سے اُسے قتل کر دیا؛

قتل کرنے کے بعد، وہ اپنے گدھے پر سوار ہوا، اب بھگوڑے ایک ایک کر کے جمع ہونے لگے، سب کے خوف و دہشت کے باعث چہرے اترے ہوئے تھے، رنگ زرد تھا، لیکن ہادی نے کسی سے باز پرس نہیں کی، لیکن یہ اصول بنا لیا کہ پھر کبھی تلوار لیئے بغیر باہر نہیں نکلا!۔

---

(۱۳۸)

خدا کا شکر

عمرو بن علا خلیفہ ہشام سے ملنے کے لئے چلا۔ راستہ میں اس کے پاؤں میں کوئی زہریلا مادہ پیدا ہو گیا جب وہ شام پہنچا، تو زہر سارے بدن پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔

خلیفہ نے اطبا کو بلایا، ان سب نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ جب تک پاؤں کاٹا نہیں جائے گا، صحت نہیں ہو سکتی، لوگوں نے بے ہوش کرنے کی تیاریاں کیں، عمرو نے کہا،

"خدا کی قسم میں یہ نہیں چاہتا کہ ذکر خدا سے غافل رہوں!"

جب ٹانگ کاٹی گئی، تو نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا

"اے اللہ، اگرچہ، تو نے میرا ایک عضو لے لیا، لیکن دوسرے اعضا تو باقی ہیں!"

ابھی وہ یہ بات ختم نہیں کر پائے تھے کہ خبر ملی کہ ان کا بیٹا چھت سے نیچے گر پڑا اور مر گیا، انھوں نے پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا؛

"اے اللہ، اگر تو نے میرا ایک بیٹا لے لیا، لیکن تیرے دیئے ہوئے دوسرے بیٹے تو موجود ہیں، اے اللہ، ہر حالت میں تیرا شکر ہے!

اقتصاد اور میانہ روی

(۱۳۹)

حضرت عمر کا سوال!

حکایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک مرتبہ بعض صالحین سے دریافت کیا۔

"کیا تم مجھ میں کوئی ایسی بات دیکھتے ہو جو تمھیں ناپسند ہو؟"

ایک نے کہا۔

"ہاں" ـــــ تمھارے دسترخوان پر دو روٹیاں ہوتی ہیں تمھارے پاس دو قمیص ہیں' ایک دن کے لئے ایک رات کے لئے۔

حضرت نے پوچھا'

"کچھ اور؟"

جواب ملا:

"نہیں!"

آپ نے کہا'

"خدا کی قسم اب ایسا کبھی نہیں ہوگا!"

چنانچہ حضرت عمر نے یہ طریقہ ترک کردیا' اس لئے کہ

یہ اسراف وتبذیر کی حد تک پہنچتا تھا، وہ اس لئے اپنے پاس
کوئی زیادہ چیز نہیں رکھنا چاہتے تھے کہ وہی مسلمانوں کے
کام آئے ؛

---

(۱۴۹)

خلیفہ منصور

خلیفہ منصور خرچ کرنے کے معاملہ میں بہت محتاط تھا اس نے اپنی اسی جزرسی کی بدولت خزانوں کو لبالب بھر رکھا تھا، یہ ساری دولت وہ اپنے بیٹے مہدی کے لئے چھوڑ گیا، تاکہ وہ اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ حکومت کر سکے، حکومت کی توسیع و استحکام کے سلسلہ میں جتنا چاہے خرچ کرے اور کبھی یہ اندیشہ نہ ہو کہ روپیہ ختم ہو جائے گا، یا کم پڑ جائے گا۔

چنانچہ مہدی نے اس دولت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، اور اپنی حکومت کے قیام و استحکام کے لئے بے دریغ روپیہ صرف کیا، اور بڑی شان سے حکومت و فرمان روائی کی۔

(۱۴۱)

جزرسی کا نتیجہ

حکایت ہے کہ محمد بن حمزہ بہت فضول خرچ تھا، اس کے والد نے بہت زیادہ دولت اس کے لئے چھوڑی تھی، لیکن اس نے اپنی فضول خرچی کے باعث یہ ساری دولت بہت مختصر سی مدت میں ختم کر دی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک پیسہ کو محتاج ہو گیا، اور سوال کی ذلت تک برداشت کرنا پڑی۔

محمد بن حمزہ کے چچازاد بھائی کا انتقال ہوا، اس کا کوئی وارث نہیں تھا، وہ محمد کے لئے سو درہم بطور ترکہ کے چھوڑ گیا، محمد نے یہ رقم لے لی، اللہ کا شکر ادا کیا، اور پھر اتنی احتیاط سے زندگی بسر کی کہ رفتہ رفتہ وہ بڑا مالدار بن گیا۔ اور ساری عمر اسی طرح بسر کرتا رہا۔

(۱۴۲)

فقیر اور خرّاچ

ایک فضول خرچ دولت مند سے ایک فقیر نے کہا:

"ایک دینار مجھے عطا کیجئے!"

دولت مند کو بہت حیرت ہوئی، اس نے کہا

"تم اتنا زیادہ مجھ سے کیوں مانگتے ہو؟ حالانکہ دوسروں سے کم ہی طلب کرتے ہو؟"

فقیر نے جواب دیا:

"دوسرے لوگوں سے مجھے امید ہے کہ پھر دوبارہ بھی ان سے مجھے کچھ نہ کچھ ملے گا، لیکن آپ کا ہاتھ کھلا ہوا ہے، لہٰذا آئندہ آپ سے بھیک ملنے کی کوئی توقع نہیں ہے، کیونکہ آپ خود مفلس ہو چکے ہوں گے۔"

وہ شخص ان باتوں سے بہت متاثر ہوا، اور پھر احتیاط و جزرسی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

صاف جواب

حسن بن سہل، خلیفہ مامون کا وزیر بہت سخی اور جواد تھا
بے دھڑک لوگوں کو عطایا دیتا رہتا تھا، ایک مرتبہ ایک اعرابی
نے اُسے لکھا:

"اے حسن یہ راستہ احسان کا نہیں، جو تونے اختیار کر رکھا ہے
کیا تجھے نہیں معلوم کہ اسراف میں کوئی بھلائی نہیں؟"

حسن نے اعرابی کو جواب دیتے ہوئے لکھا:-

"کیا تجھے نہیں معلوم کہ بھلائی میں اور نیکی میں اسراف ہوتا ہی
نہیں؟"

(۱۴۴)

عجیب سوال

امام ابو یوسف کی مجلس میں ایک شخص پابندی سے حاضر ہوا کرتا تھا، لیکن خاموش بیٹھا رہتا تھا، نہ کبھی کوئی سوال کرتا تھا نہ بات کرتا تھا ایک روز امام صاحب نے اس سے پوچھا:

"کیا بات ہے نہ تم کوئی بات کرتے ہو، نہ سوال پوچھتے ہو؟"

وہ کہنے لگا:

قاضی صاحب یہ بتلائیے، روزہ کب افطار کرنا چاہیے؟"

قاضی صاحب نے فرمایا:

"جب آفتاب غروب ہوجائے!"

اس نے پوچھا:

"اگر سورج آدھی رات تک نہ غروب ہو تو؟"

قاضی صاحب مسکرائے، اور فرمایا:

بے وقوف آدمی کے لئے خاموش رہنا ہی اس کی زینت ہے!"

(۱۴۵)

سچّا بیٹا!

ایک تاجر کا انتقال ہوگیا، اس نے بہت سی دولت اپنے پیچھے چھوڑی اس کا ایک ہی لڑکا تھا، جو وارث ہوسکتا تھا، لیکن وہ عرصہ سے لاپتہ تھا اور اب کسی کے ذہن میں اس کی صورت اور یاد بھی باقی نہیں رہ گئی تھی۔

ایک عرصہ کے بعد تین نوجوانوں نے، مرحوم تاجر کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا، یہ تینوں قاضی کے پاس آئے، اور اپنا مقدمہ پیش کیا، قاضی نے مرحوم تاجر کی ایک تصویر منگوائی، اور کہا:

"جو اس تصویر پر بندوق کا ٹھیک نشانہ لگائے گا وہی وارث قرار پائیگا۔"

تینوں میں سے دو تو تیار ہوگئے، لیکن تیسرا پریشان ہوگیا، اس کے چہرے پر فکر و غم کے آثار نمایاں ہوگئے، اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس نے کہا:

"ناممکن ہے کہ میں اپنے باپ کی تصویر کو نشانہ بناؤں، خواہ وہ ایک کاغذ ہی پر کیوں نہ ہو، مجھے پروا نہیں اگر میری

میراث ضائع ہو جائے!"

قاضی نے سمجھ لیا یہی اپنے باپ کا حقیقی بیٹا ہے، اور میراث کا اسی کے لئے فیصلہ کر دیا!

---

(۱۴۶)

حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ!

دو عورتیں کہیں جا رہی تھیں' دونوں کی گود میں ان کے بچے تھے راستہ میں ایک بھیڑیا ملا' اس نے ایک بچے کو ہلاک کر دیا' اب صرف ایک بچہ رہ گیا' اس پر ان دونوں میں جھگڑا ہونے لگا' ایک کہتی' یہ میرا بچہ ہے' دوسری کہتی نہیں میرا ہے' یہ دونوں اسی طرح جھگڑتی ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچیں' انھوں نے ان دونوں کی ساری داستان سن کر فرمایا :-

"مجھے چھری دو' میں اس بچہ کے دو ٹکڑے کر دوں گا' اور تم دونوں کو ایک ایک دے دوں گا!"

ایک عورت بولی

"کیا آپ اسے کاٹ ڈالیں گے یا رسول اللہ ؟"

آپ نے فرمایا :

"ہاں!"

وہ کہنے لگی

"ایسا نہ کیجئے، میں اپنے دعوے سے دستبردار ہوتی ہوں!"

حضرت نے فرمایا:

"لے جا یہ تیرا ہی بچہ ہے!"

---

(۱۴۷)

یزید اور معاویہ

ایک مرتبہ امیر معاویہ، اپنے بیٹے یزید پر کسی غلطی کے باعث بہت خفا ہو گئے، کچھ روز بعد انھوں نے، احنف بن قیس کو طلب کیا اور کہا "ذرا اولاد کے بارے میں رائے تو دو، کیا خیال ہے تمھارا اولاد کے متعلق؟"

احنف نے یہ سوال سن کر بڑی سنجیدگی سے کہا:

"ہماری اولاد، ہمارے دل کا پھل ہے، ہماری پیٹھ کا سہارا ہے ہم اس کے لئے سرسبز زمین ہیں، اور سایہ کرنے والا آسمان ہیں وہ جو مانگے دے دو، وہ بگڑ بیٹھے، تم منالو، اس پر غصہ نہ کرو، ورنہ تمھاری زندگی سے زیادہ موت کی طالب ہو گی!"

معاویہ نے کہا:

"احنف، تم نے بڑی اچھی باتیں کیں، میرا دل بہل گیا، بوجھ اتر گیا، یزید سے میں خفا تھا، اب میرا دل اس سے صاف ہو گیا۔"

باپ اور بیٹا!

ایک باپ اپنے بیٹے سے ہمیشہ کہا کرتا تھا؛

"تو کبھی فلاح نہیں پائے گا!"

بیٹا، باپ کا شہر چھوڑ کر کہیں اور ہجرت کر گیا، قسمت نے اس کا ساتھ دیا۔ وہ گورنر (والی) بنا دیا گیا، اس نے حاکم شہر کو جہاں اس کا باپ رہتا تھا، ایک فرمان بھیجا کہ وہ اس کے والد کو فوراً گرفتار کرکے، اور ہتکڑی بیڑی لگا کر اس کے پاس بھیجدے۔

حاکم نے فوراً حکم کی تعمیل کی، جب وہ پہنچ گیا تو بیٹے نے ملازموں سے کہا،

"ہتکڑی کاٹ دو، بیڑی اتار دو، حمّام میں لے جاؤ، اچھے اچھے کپڑے پہناؤ، پھر میرے پاس لاؤ!"

اس حکم کی بھی تعمیل ہوئی، جب آمنا سامنا ہوا تو باپ سے بیٹے نے کہا؛

"کیا آپ نے مجھے پہچانا؟"

وہ بولا

" نہیں !"

لڑکے نے کہا :

" میں آپ کا فلاں بیٹا ہوں، جس کے بارے میں آپ فرمایا کرتے تھے، کبھی فلاح نہیں پائے گا، کہیئے اب آپ کیا دیکھ رہے ہیں، اور کیا رائے ہے آپ کی ؟ "

باپ نے جواب دیا :

" میں اپنی رائے پر اب بھی قائم ہوں، سعادت مند بیٹے باپ سے وہ سلوک نہیں کرتے جو تونے میرے ساتھ کیا !"

---

(١٤٩)

نالائق اولاد!

ایک دولت مند تاجر جب بوڑھا ہوگیا، اس کے قویٰ کمزور
پڑ گئے اور طاقت جواب دے گئی، تو اپنا سب کچھ اس نے اپنی
اولاد کو سونپ دیا کچھ دنوں تک یہ لڑکے باپ کا مان رکھتے رہے
لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد، وہ ان پر بوجھ سا محسوس ہونے لگا اب
نہ باپ کی عزت تھی، نہ توقیر کپڑے بناتے تھے تو بھی بہت سی
باتیں بنا کے، اور کھانا کھلاتے تھے تو بھی منہ بنا کے۔

باپ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو دل ہی دل میں بہت نادم
ہوا کہ ناحق جوش پدری میں اپنا سب کچھ خود ہی لٹا بیٹھا، ایک
روز ایک پرانا دوست بوڑھے کے پاس آیا، اور اُسے بہت بڑی
رقم دی۔ یہ رقم اس نے کبھی قرض لی تھی۔ اور بوڑھا اس کی وصولی سے
بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ رقم لے کر اس نے ایک مضبوط بکس میں بند
کردی اور اولاد میں سے کسی کو ایک پائی بھی نہ دی

اولاد نے جو یہ دیکھا کہ باپ کے پاس پھر دولت آگئی ہے

پھر اس کی خاطر داشت ہونے لگی، اس کی عزت و توقیر پھر واپس آگئی، لیکن بوڑھے کو جو سبق ملا تھا وہ ایسا نہیں تھا جسے وہ فراموش کر دیتا، اس نے کسی کو اس رقم میں سے کچھ بھی نہیں دیا۔

جب اس کی وفات ہوئی، تو سب لڑکے صندوق کے پاس جمع ہوئے کہ دیکھیں اس میں سے کیا نکلتا ہے؟ اور جو کچھ نکلے اُسے آپس میں تقسیم کرلیں، چنانچہ بڑے اشتیاق اور اہتمام کے ساتھ وہ صندوق کھولا، لیکن دیکھتے کیا ہیں، اس میں سونے چاندی کے بجائے پتھر بھرے ہوئے ہیں، اور ان پتھروں پر ایک رقعہ رکھا ہوا ہے، رقعہ پڑھا تو اس میں لکھا تھا:

اللہ تعالیٰ میں یہ قدرت ہے کہ وہ نالائق اولاد کے لئے سونے کو پتھروں اور سنگریزوں میں تبدیل کردے!"

مایوس ہو کر ان لوگوں نے وہ پتھر پھینک دیئے، واقعہ یہ تھا کہ باپ نے لڑکوں کی نالائقی سے متاثر ہو کر وہ رقم ایک یتیم خانہ کو دے دی تھی، اور صندوق میں پتھر بھر دیئے تھے

سمع وطاعت

(۱۵۰)

بندگی کی مثال!

اسلام کی تاریخ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو، اور ان کے ہمیشہ باقی رہنے والے کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی؛

غزوۂ بدر کا واقعہ ہے کہ آنحضرت نے حضرت ابو عبیدہ کو جہاد کا حکم دیا۔ حکم نبوی پاکر وہ میدان جنگ میں کود پڑے، اتفاق کی بات آمنا سامنا جس حریف سے ہوا وہ کوئی اور نہیں ابو عبیدہ کے والد تھے، بیٹا اسلام لاچکا تھا، باپ اب تک کفر پر قائم تھا۔ باپ کو سامنے دیکھکر حضرت ابو عبیدہ ذرا بھی نہ جھجکے، مقابلہ ہوا، بیٹے نے باپ کو قتل کردیا، سر کاٹا اور، رسول اللہ کے قدموں پر لاکر ڈال دیا۔

"یہ میرے باپ کا سر ہے، جسے میں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے کاٹ ڈالا ——— !"

(۱۵۱)

عمرؓ اور خالدؓ

حضرت خالد، سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہیں، آپ نے اسلام کے حدود مملکت میں بہت کافی توسیع کی، سرکار رسالت کے دربار سے بارہا آپ کو خوشنودی کے پروانے حاصل ہوئے۔

ان ہی حضرت خالد کو، جو جیوش اسلامیہ کے سپہ سالار تھے، عین اس حالت میں کہ شام کی جنگ جاری تھی، دفعتہً سپہ سالاری سے معزول کر دیا؛

حضرت خالد نے یہ حکم سنا، خاموشی اور اطاعت مندی سے یہ فرمان قبول کیا، اور سپہ سالار کے بجائے ایک سپاہی کی حیثیت سے اس وقت تک لڑتے رہے جب تک کامیابی کے ساتھ جنگ ختم نہیں ہو گئی اور اسلام کا پرچم وہاں لہرانے نہیں لگا۔

(۱۵۲)

خلیفہ اور کوتوال شہر

عبداللہ بن مالک کہتے ہیں خلیفہ مہدی کے زمانہ میں کوتوالی کا منصب میرے ہاتھ میں تھا، مہدی مجھے ہادی کے مصاحبوں اور ندیموں کے بارے میں حکم بھیجا کرتا تھا کہ فلاں فلاں کو گرفتار کرلو، انھیں جیل میں ڈال دو، ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرو، کہ یہ لوگ ہادی کو بگاڑ رہے ہیں، میں خلیفہ کے احکام کی بے چوں و چرا تعمیل کیا کرتا تھا، ہادی اپنے دوستوں کی مجھ سے سفارش کرتا تھا، اور چاہتا تھا میں ان لوگ گرفتاروں کے ساتھ رعایت اور حسن سلوک کا برتاؤ کروں، لیکن میں نے اس کی سفارش پر کبھی توجہ نہیں کی، اپنا کام کرتا رہا، اور مہدی کے ہدایات پر عمل پیرا رہا،

یہاں تک کہ وہ زمانہ آیا کہ مہدی کا انتقال ہوگیا، اور ہادی تخت خلافت پر متمکن ہوا، اب مجھے یقین ہوگیا، ہلاکت میرے انتظار میں ہے، موت سے اب مجھے کوئی نہیں بچاسکتا، ایک روز ہادی نے مجھے بلوا بھیجا، میں پہنچا۔ اس حالت میں کہ کفن سر سے لپیٹے ہوئے

تھا، اور حنوط لگائے ہوئے تھا' میں نے دیکھا' ہادی' ایک کرسی پر بیٹھا ہے' قتل کے وقت جس چمڑے پر مقتول کو بٹھاتے تھے وہ سامنے بچھا ہے' اور تلوار اس کے ہاتھ میں ہے' چہرے پر غضب کے آثار ہویدا ہیں۔ میں نے خلیفہ سے کہا

"السلام علیکم"

خلیفہ نے جواب دیا

خدا تجھے سلامت نہ رکھے!"

پھر وہ گویا ہوا

"کیا تجھے یاد ہے حرّانی کو امیر المؤمنین (مرحوم خلیفہ) نے گرفتار کرایا تھا۔ تجھ سے میں نے اس کی سفارش کی تھی' اور تو نے میری سفارش پر ذرا بھی توجہ نہیں کی تھی؟ —— اور صرف یہی نہیں اور بھی میرے فلاں فلاں ندیموں اور مصاحبوں کو امیر المؤمنین کے حکم سے گرفتار کیا گیا اور تو نے انھیں تکلیفیں پہنچائیں' اور میری سعی و سفارش کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا؟"

میں نے کہا

"ہاں امیر المومنین مجھے سب یاد ہے! کیا آپ مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے؟

فرمایا

"کیا کہنا چاہتا ہے ؟"

میں نے کہا :

"خدا امیرالمؤمنین کو سلامت رکھے، یہ ارشاد فرمائیے کہ اگر آپ بھی مجھے اسی منصب پر بحال رکھیں، جس پر میں مرحوم امیرالمومنین کے عہد میں فائز تھا، آپ مجھے حکم دیں کہ فلاں کے ساتھ سختی کا سلوک کرو، اسے جیل میں ڈال دو، اور آپ کے صاحبزادے مجھ سے کہیں کہ یہ کچھ نہ کرو —— پھر میں کیا کروں ؟ آپ کا حکم مانوں آپ کے صاحبزادے کا ؟ کیا آپ کی نافرمانی کروں —— ؟"

خلیفہ ہادی نے کہا :

"ہرگز نہیں !"

میں نے کہا

"بس تو جیسا میں آپ کے والد کا وفادار تھا، ویسا ہی آپ کا رہوں گا، لیکن آپ کی اولاد کا نہیں !"

خلیفہ نے مجھے قریب کرلیا، میں نے اس کے ہاتھ چومے !

پھر خلیفہ خوش ہوگیا، اور میں عافیت اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگا !

(عقدالفرید)

(۱۵۳)

احمد بن طولون

مصر کا والی احمد بن طولون حالانکہ بڑا جابر، خونخوار، اور سفاک شخص تھا، لیکن وہ عدل کو پسند کرتا تھا، اور مظلوم کو ظالم کے پنجہ سے چھڑا لیتا تھا۔

حکایت ہے:

احمد بن طولون کے بیٹے عباس نے ایک مغنیہ کو بلایا اس حالت میں کہ وہ شراب و کباب کے شغل میں مصروف تھا۔ مصر کے ایک صالح اور متقی شخص نے مغنیہ کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ساتھ غلام تھا جو چنگ درباب اٹھائے ہوئے تھا۔ اس شخص نے غلام سے رباب چھین لیا اور اسے ٹکڑے کر دیا۔ عباس باپ کے پاس آیا اور اسے اس واقعہ کی اطلاع دی۔

احمد نے حکم دیا اس شخص کو حاضر کیا جائے، جب وہ سامنے آیا تو احمد نے اس سے پوچھا۔

"کیا تو نے رباب توڑا ہے"۔

مرد صالح نے جواب دیا۔

"ہاں"

احمد نے پوچھا

"تم جانتے ہو۔ یہ حرکت تم نے کس کے ساتھ کی؟"

مرد صالح نے جواب دیا

"ہاں ـــــ وہ آپ کا بیٹا عباس ہے جس کے رنگ میں بھنگ کرنے کا میں مجرم ہوں؟"

احمد نے پوچھا

"کیا تم نے اس لئے بھی اس کی عزت نہ کی کہ وہ میرا بیٹا تھا"

مرد صالح نے جواب میں کہا

"کیا میں اس کی عزت کرتا حالانکہ وہ خدا کی معصیت کے مرتکب ہو رہا تھا کیا آپ نہیں جانتے جہاں خالق کی معصیت کا امکان ہو۔ وہاں مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے خواہ وہ کتنی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو۔

احمد نے سر جھکا لیا اور پھر کہا

"ہر نافرمانی کی سزا میں دے کر رہتا ہوں لیکن اس معاملہ میں تمھارے ساتھ ہوں"۔

(۱۵۴)

شرابی بادشاہ

حکایت ہے کہ ایک بادشاہ بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا اتنے میں ایک شخص آیا جس کے زہد و تقوے کی دھوم تھی بادشاہ نے شراب کا جام بھرا اور زاہد کے سامنے پیش کیا، اس شخص نے جام شراب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

بادشاہ نے کہا

"کیا میری نافرمانی کرکے تو میرے غصے کو ابھارنا چاہتا ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا

"اے بادشاہ کیا تو چاہتا ہے کہ میں خدا کی نافرمانی کروں اور اس کے غضب کو دعوت دوں؟ نہیں خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اگرچہ بادشاہ کی تلوار میری گردن اڑا دے، کیا بادشاہ کے کانوں تک قرآن کی یہ آیت نہیں گئی اِنّما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجسٌ من عَمَلِ الشیطان فاجتنبوہُ۔

باپ یہ جواب سنکر بہت خوش ہوا، انعام و اکرام سے

مالا مال کر دیا اس کی نسخ نفس اور طہارت خیال کی بہت تعریف کی اور کہا:

یہ شخص خدا کے معاملہ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔

---

(۱۵۵)

بہترین سفارش

خلیفہ متوکل باللہ اپنی مجلس میں مسرور و مطمئن بیٹھا ہوا دادِ عیش دے رہا تھا اتنے میں اس کا ایک جاسوس آیا اور اس نے خبر دی کہ فرقہ امامیہ کے مشہور امام حضرت علی الہادی نے اپنے پاس بہت سا ذخیرہ سازوسامان جنگ کا فراہم کر لیا ہے اُن کا ارادہ یہ ہے کہ وہ امیر المومنین کے خلاف بغاوت کا اعلان کر کے خروج کریں متوکل یہ باتیں سن کر بہت پریشان ہوا' اس نے ترک سپاہیوں کو حکم دیا کہ رات کی تاریکی میں حضرت علی الہادی کے گھر پر چھاپہ ماریں اور انھیں قتل کریں۔

ترک سپاہی اس وقت جب آبادی سو چکی تھی اور رات کا سناٹا اپنا جھنڈا لہرا رہا تھا حضرت علی الہادی کے گھر پر پہنچے' دیکھتے کیا ہیں کہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس پر بالوں کا ایک پردہ پڑا ہے اور حضرت علی الہادی قبلہ رو بیٹھے ہوئے قرآن مجید کی آیات جو وعدہ وعید سے متعلق تھیں تلاوت فرما رہے ہیں' آپ گھری زمین پر بیٹھے تھے۔ جہاں

ریت اور سنگریزوں کی کثرت تھی آپ کے اور زمین کے درمیان کوئی فرش حائل نہیں تھا۔

سپاہی اسی حالت میں حضرت علی الہادی کو خلیفہ متوکل کے پاس لے گیا۔ متوکل کی مجلس میں شراب جمی ہوئی تھی، بادۂ ناب کا دور چل رہا تھا اور وہ خود جام بدست بیٹھا تھا اس نے جب حضرت علی الہادی کو آتے دیکھا تو ادب و احترام کے جذبہ سے اُٹھ کھڑا ہوا، آپ کی تعظیم کی اور اپنے پہلو میں بٹھایا اور پھر جام شراب آپ کی خدمت میں پیش کیا

حضرت علی الہادی نے کہا

"اے امیر المومنین میرے خون اور گوشت میں شراب نے کبھی سرایت نہیں کی لہذا مجھے معاف رکھیے۔

خلیفہ نے جام واپس لے لیا۔ اور کہا

" تو پھر کچھ اشعار سنائیے "

حضرت علی الہادی نے فرمایا

" مجھے شعر و شاعری سے زیادہ دلچسپی نہیں۔

متوکل نے کہا

" میری درخواست رد نہ کیجیے "

حضرت علی الہادی نے اس کے جواب میں چند شعر سنائے جو یہ تھے۔

" وہ لوگ جب قبر میں پہنچ گئے تو پوچھنے والے نے پوچھا "

" تمھارا تخت حکومت کیا ہوا تمھارا تاج شہریاری کہاں ہے "

" تمھارے لباس فاخرہ کدھر گئے "

" وہ چہرے کہاں ہیں جن کے پس پردہ "

" ستار بجا کرتے تھے اور راگ و رنگ کی آوازیں آیا کرتی تھیں "

" انھوں نے بہت عرصہ تک شرابیں پیں' اچھے اچھے کھانے کھائے "

" اور آخر کار ایک عرصہ دراز کے بعد خود زمانے نے انھیں کھا لیا "

" حضرت علی الہادی نے اشعار ختم کئے تو دیکھا متوکل کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور وہ بے تحاشا رو رہا ہے اس نے شراب کے برتن پھینک دیئے اور مجلس برخاست کر دی' پھر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اس نے حضرت کو اُن کے گھر پہنچا دیا۔

---

(۱۵۶)

ادب شاہانہ

ایک دولتمند شخص راستہ میں کھڑا ایک بہت بڑے تاجر سے گفتگو کر رہا تھا۔ اتنے میں ایک حبشی غلام اُدھر سے گزرا اس نے دولت مند کو سلام کیا، دولت مند نے بڑے اخلاق و تپاک سے اس کے سلام کا جواب دیا، تاجر کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی اس نے کہا

"آپ ایک حبشی غلام سے سلام کلام کرتے ہیں جو دو کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتا، یہ بات آپ کی علوئے شان کے خلاف ہے۔"

امیر نے جواب دیا

"کیا میرے لئے یہ مناسب تھا کہ یہ حبشی غلام ادب اور اخلاق کے لحاظ سے مجھ سے بڑھ جاتا؟"

تاجر نے کہا

"آپ نے سچ فرمایا ادب شاہانہ اسی کا نام ہے۔

غیبت اور سازش

(۱۵۷)

بدترین جُرم

ایک شخص عبدالملک بن مروان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا۔
"آپ سے میں کچھ راز کی بات کہنا چاہتا ہوں"۔۔۔۔
عبدالملک نے اپنے مصاحبوں سے کہا
"آپ لوگ ذرا تخلیہ کا موقع دیں!"
وہ سب لوگ اٹھ گئے، پھر عبدالملک نے قبل اس کے کہ وہ شخص کچھ کہے اس سے کہا۔
"دیکھو، میری مدح نہ کرنا، میں اپنے آپ کو خوب پہچانتا ہوں نہ مجھ سے جھوٹ بولنا، جھوٹا بغیر سزا پائے میرے پاس سے بچ کر نہیں جا سکتا، اور نہ کسی کی لگائی بجھائی کرنا، کیونکہ چغل خوری سب سے بڑا جرم ہے، اب کہو کیا کہتے ہو؟"
وہ کچھ نہیں بولا اور چپ چاپ چلا گیا!

(۱۵۸)

سلیمان بن عبدالملک

ایک شخص سلیمان بن عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس سے کچھ راز کی باتیں کرنے کی اجازت چاہی اور کہنے لگا۔

"یا امیرالمومنین، میں آپ سے ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں، اندیشہ ہے کہ آپ اسے ناپسند کریں گے، لیکن اگر اسے مان لیں تو آپ کے لیے خوشی ہی خوشی ہے!"

سلیمان نے کہا

"کہو، کیا کہتے ہو؟"

وہ کہنے لگا۔

"یا امیرالمومنین آپ کو ایسے لوگوں نے گھیر رکھا ہے جو آپ کی دنیا اپنے دین کے عوض خرید رہے ہیں، آپ کی رضامندی حاصل کرتے ہیں، لیکن خدا کو خفا کر کے وہ لوگ، اللہ کے مقابلہ میں آپ سے ڈرتے ہیں لیکن آپ کے معاملہ میں خدا سے نہیں ڈرتے، ایسے لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرا کیجیے، نہ ان کی باتیں مانا کیجیے، یہ لوگ اُمت

کے دشمن ہیں، امانت کے ضائع کرنے والے ہیں، یہ لوگ لوگوں کی
آبرو اور جان کے گاہک ہیں، یہ لوگ جعل ساز اور چغل خور ہیں، ان کا
ذریعہ معاش صرف غیبت اور چرب زبانی ہے لیکن یاد رہے ان کے
جرائم کی ذمّہ داری، اور مسئولیت آپ کی گردن پر ہے، اور یہ لوگ
آپ کے جرائم سے بری الذمہ ہیں، لہٰذا میری التجا ہے کہ آپ آخرت
کا سودا کر کے اپنی دنیا بنانے کی کوشش نہ کیجئے، اس شخص سے بڑھ
کر بد دیانت اور غبن کرنے والا کوئی شخص نہیں، جو دوسرے کی دنیا
کے لئے، اپنی عافیت بیچ دے!"

سلیمان یہ باتیں سنتا رہا، اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے
ڈبڈبا رہی تھیں

(۱۵۹)

اچھّا جواب!

مشہور برمکی وزیر، یحییٰ بن خالد سے ایک شخص نے کہا

"فلاں تاجر کا انتقال ہوگیا، وہ اپنے پیچھے ایک خوب صورت لونڈی ایک دودھ پیتا بچہ، اور بہت سی دولت چھوڑ گیا ہے، ان تمام چیزوں کا مستحق آپ سے زیادہ اور کوئی نہیں!"

یہ ساری کتھا سنکر، یحییٰ نے جواب دیا:

"مرنے والے پر خدا رحم کرے، اس کی لونڈی کو عفیفہ اور پاکدامن رکھے، اور اس کی حفاظت کرے، بچہ کو پروان چڑھائے اور اچھا نصیب دے، دولت کو خدا اور زیادہ بڑھائے، اور ترقی دے اور جس شخص نے یہ لگائی بجھائی کی ہے اس پر اپنی لعنت بھیجے۔"

(۱۶۰)

بُرا انجام

حکایت ہے ایک شخص نے اپنا ایک غلام فروخت کیا، جب بیچنے لگا تو خریدنے والے سے کہا :۔

اس غلام میں کوئی عیب نہیں، لیکن ایک بُرائی ضرور ہے۔

مشتری نے پوچھا

وہ کون سا عیب ہے

بیچنے والے نے کہا

لگائی، بجھائی۔

مشتری نے جواب دیا

کوئی حرج نہیں، میں اس کی لگائی بجھائی میں کبھی نہیں آؤں گا۔

کچھ عرصہ تک یہ غلام اپنے نئے آقا کے پاس شائستگی کی زندگی بسر کرتا رہا، ایک روز وہ اپنے مالک کے پاس آیا اور اس سے بہت رازدارانہ انداز میں گویا ہوا،

آپ کی بیوی آپ کو قتل کر کے دوسرے آدمی سے شادی

کرنے کی فکر میں ہے۔

آقا نے پوچھا

تم نے کیسے جانا؟

غلام نے جواب دیا

آپ پر خود ہی ظاہر ہو جائے گا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں یا جھوٹ تھوڑا سا انتظار کیجئے۔

پھر وہ غلام اپنے آقا کی بیوی کے پاس آیا اور بڑے رازدارانہ لہجہ میں اس سے کہنے لگا،

آپ کے شوہر آپ کو طلاق دینے پر تُلے بیٹھے ہیں اور ایک دوسری عورت سے شادی کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں، کیا میں کوئی ٹونا ٹوٹکا بتاؤں؟ تاکہ آپ اُن کی محبت پھر سے حاصل کر سکیں۔

وہ کہنے لگی

ہاں، اور اگر تم نے یہ کیا تو میں تمھیں بہت سا انعام دوں گی۔

غلام نے کہا

ایسا کیجئے اُن کے داڑھی کے نیچے کے بال، تین مجھے لا دیجئے۔

رات کو بیوی نے شوہر کے بال نوچنے کی کوشش کی، وہ تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا، اُسے یقین ہو گیا۔ غلام نے اس کے

بارے میں جو کچھ اس سے کہا تھا، سچ کہا، لہٰذا اُس نے قتل کر دیا
یہ خبر جب بیوی کے بھائیوں کو ملی وہ لوگ دوڑے دوڑے
آئے، انھوں نے شوہر کو قتل کر دیا؛

---

(۱۶۱)

چغل خور

ایک چغل خور نے مشہور کاتب ابن مُقلہ کی شکایت ایوان شاہی تک پہنچائی۔ یہ شخص نہایت حسین وجمیل اور پاکیزہ خط کا مالک تھا، لیکن جب بادشاہ کو اس کی غداری کا یقین دلا دیا گیا تو اس نے حکم دیا اس کے ہاتھ قطع کر دیئے جائیں چنانچہ وہ کاٹ دیئے گئے۔

جب ابن مقلہ اس مجبوری اور بے کسی کی حالت میں گھر بیٹھ رہا تو اس کے وہ دوست جو بڑے بڑے دعوے کرتے تھے بے وفا ثابت ہوئے، کوئی اس کی بات پوچھنے بھی نہ آیا، وہ خاموشی کے ساتھ یہ غم بھی سہہ گیا، کچھ دنوں بعد بادشاہ کو معلوم ہوا کہ اُس تک جو شکایت پہنچائی گئی تھی وہ بالکل غلط تھی اس نے چغل خور کو بلوایا اور اُسے قتل کرا دیا اور ابن مقلہ کو بلا کر پھر اُسے وزارت کے منصب پر مامور کر دیا۔

جب اس کے دوستوں اور عزیزوں نے یہ دیکھا تو پھر دولت و حشمت اس کی ہمرکاب ہے تو اُس کے پاس آئے اُسے مبارکباد دی اور

اپنی بے رخی پر معذرت کرنے لگے، جواب میں اس نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا۔

چند ہی روز میں دنیا والوں کی حقیقت مجھ پر منکشف ہوگئی۔

ابن مقلہ زندگی بھر الٹے ہاتھ سے لکھتا رہا اور اب بھی اس کے خط کی وہی شان تھی جب وہ سیدھے ہاتھ سے لکھا کرتا تھا۔

---

(۱۶۲)

غیبت

ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کسی امر کے بارے میں فتویٰ پوچھا اور رخصت ہوگئی، جب وہ جا چکی تو حضرت عائشہ رضؓ نے آنحضرت سے فرمایا۔

یا رسول اللہ یہ کتنی کوتاہ قامت ہے!

آنحضرت نے یہ سن کر ارشاد فرمایا

خبردار غیبت نہیں کرتے

حضرت عائشہ رضؓ بولیں

"یا رسول اللہ میں نے تو اس کے لئے وہی بات کہی جو واقعی اُس میں ہے"

آنحضرت نے جواب دیا

ہاں۔ اگر تم غیر واقعی بات کہتیں تو وہ بہتان ہوتا۔

یعنی بہتان وہ ہے جو خلاف واقعہ ہو، اور غیبت کی تعریف یہ کہ امر واقعہ بھی اگر اس میں عیب کا کوئی پہلو نکلتا ہو تو انسان کے پس پشت نہیں بیان کرنا چاہیے

پڑوسی کے حقوق

مشورہ کے فائدے

ثبات واستقامت

امام ابوحنیفہ اور ان کا پڑوسی

امام ابوحنیفہ کے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جو چرمی موزے بنانے کا کام کیا کرتا تھا دن بھر بازار میں اپنا کام کیا کرتا تھا۔ جب رات ہوتی تھی تو گوشت، مچھلی اور شراب سے لدا، پھندا گھر واپس آتا تھا اس کے بعد گوشت کے پکانے اور مچھلی کے بھوننے میں لگ جاتا تھا پھر خوب کھاتا پیتا تھا اور شراب کے جام چڑھانے لگ جاتا تھا جب نشہ میں زیادہ بدمست ہوتا تو مختلف قسم کے اشعار زور زور سے گانے لگتا اور جب گاتے گاتے تھک جاتا تو سو رہتا۔

امام ابوحنیفہ ساری رات عبادت و ریاضت میں بسر کرتے، وہ رات بھر اس کی چیخ دپکار سنتے تھے اور خاموش رہتے تھے، ایک روز ان کے کانوں میں اس کی آواز نہیں آئی، صبح کو انھوں نے دریافت کیا

کیا بات ہے آج ہمارے پڑوسی کے یہاں سناٹا رہا؟

امام صاحب کو بتایا گیا کہ وہ رات کو گرفتار کر لیا گیا اب وہ محبوس ہے یہ سن کر آپ نے نماز فجر ختم کی پھر خچر پر سوار ہوئے اور حاکم

کے دروازے پر جا کر دم لیا حاکم کو جب اطلاع ملی کہ امام صاحب تشریف لا رہے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ امام صاحب کو اندر تک سواری پر آنے دو جب وہ فرش کے قریب پہنچے تو حاکم نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور مسند پر اپنی جگہ انہیں بٹھایا اور پھر بڑے ادب سے پوچھا۔

میرے لائق کوئی خدمت؟

امام صاحب نے فرمایا

میرا ایک پڑوسی ہے تمہارے سپاہیوں نے اُسے گرفتار کر لیا ہے میں چاہتا ہوں اُسے رہا کر دو،

حاکم نے کہا

بسر و چشم اور صرف وہی نہیں آپ کی تشریف آوری کے اعزاز میں جتنے لوگ اُس رات کو گرفتار ہوئے ہیں سب کو رہا کئے دیتا ہوں۔

پھر حاکم کے حکم مطابق تمام لوگ جو اُس رات کو گرفتار کئے گئے تھے۔ رہا کر دیئے گئے۔ اور اپنے اپنے گھر خوش خوش پہنچ گئے۔

امام صاحب واپس تشریف لائے پیچھے پیچھے آپ کا پڑوسی بھی تھا۔ جب وہ اپنے دروازے پر پہنچا تو امام صاحب نے اُس سے فرمایا تمھیں کھو کر ہم نے بڑی تکلیف اٹھائی،

وہ کہنے لگا:

آپ نے میری حفاظت کی، میری رکھوالی کی، خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ کے پڑوس سے مجھے کتنا زیادہ فائدہ ہوا، خدا کی قسم آج کے بعد سے شراب کا ایک قطرہ بھی میں نہیں پیؤں گا۔

وہ پڑوسی اپنی توبہ پر آخر وقت تک قائم رہا اور پھر کبھی نہ اُس نے شراب پی اور نہ غُل شور مچایا۔

(۱۶۴)

سعید بن عاص

سعید بن عاص کے پڑوس میں محمد بن جہم رہتے تھے، ایک مرتبہ کسی ضرورت سے مجبور ہو کر اپنا مکان پچاس ہزار درہم میں انھوں نے بیچنا چاہا۔ خریدار جب آئے تو ان سے محمد نے پوچھا۔

یہ تو بتاؤ مکان کے علاوہ تم سعید کے پڑوسی بن جانے کی قیمت مجھے کیا دو گے؟

خریداروں نے کہا

کہیں پڑوس بھی بکتا ہے؟

محمد نے جواب

کیوں نہیں بکتا، بکتا ہے اور گراں قیمت پر بکتا ہے، تم جانتے نہیں، سعید کے پڑوسی کا مطلب کیا ہے، جب مانگو گے پاؤ گے، چپ رہو گے وہ خود پیش قدمی کر کے تمھاری جیب بھر دے گا۔ برائی سے پیش آؤ گے وہ احسان کرے گا۔ یہ خبر کہیں سعید کو پہنچ گئی انھوں نے فوراً ایک لاکھ درہم محمد کو بھیجے اور کہلایا اپنا مکان فروخت مت کرو، اسی میں رہو۔

(۱۶۵)

حُسن سلوک

ایک شخص ابن عبید اللہ کے پڑوس میں رہتا تھا، عراق میں جب قحط پڑا اور حالت زیادہ نازک ہوگئی تو وہاں کے اکثر باشندے اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے ابن عبید اللہ کا پڑوسی بھی کہیں اور جانے کے لئے رختِ سفر باندھنے لگا، اس کی بیوی بیمار تھی اور سفر کی مقدرت نہیں رکھتی تھی اس نے جو اپنے شوہر کو سفر کی تیاریاں کرتے دیکھا تو کہا

تم تو جا رہے ہو، تمہارے پیچھے گھر کے مصارف کیسے پورے ہوں گے؟

شوہر نے جواب دیا۔

ابن عبید اللہ پر میری کافی رقم قرض ہے، میرے پاس اس کی لکھی ہوئی دستاویز بھی ہے، وہ دستاویز مجھ سے لے لو، جب اس کے پاس جاؤگی اور وہ دستاویز پڑھے گا تو اس رقم میں سے تمھیں حسب ضرورت مصارف بھر کی رقم دینا شروع کر دے گا۔

یہ کہہ کر اس نے ایک رقعہ اپنی بیوی کے ہاتھ میں رکھا اور خود

جدھر منہ اٹھا چلا گیا۔

دوسرے روز اس آدمی کی بیوی ابن عبید اللہ کے پاس پہنچی شوہر نے جو باتیں کہی تھی وہ دہرائیں، اس کے سفر پر جانے کی اطلاع دی اور وہ رقعہ یا دستاویز پیش کرتے ہوئے کچھ رقم کا مطالبہ کیا ابن عبید اللہ نے وہ رقعہ جو پڑھا تو اس میں صرف ایک شعر لکھا تھا "میری بیوی نے مجھ سے پوچھا جب تم چلے جاؤ گے تو ہماری خبر کون لے گا۔ میں نے جواب دیا کیا تو ابن عبید اللہ کو نہیں جانتی۔"

رقعہ جیب میں رکھتے ہوئے ابن عبید اللہ نے کہا

تمہارے شوہر نے سچ کہا، واقعی میں ان کا مقروض ہوں اور پھر ابن عبید اللہ برابر اُس عورت کو جتنے روپے وہ طلب کرتی دیتا رہا یہاں تک کہ ایک عرصہ کے بعد اس کا شوہر واپس آگیا، عورت نے ابن عبید اللہ کی ایمانداری کی اپنے شوہر سے بہت تعریف کی، شوہر یہ باتیں چپ چاپ سنتا رہا، پھر بیوی کے پاس سے اٹھکر ابن عبید اللہ کے پاس گیا اور اس کے فضل و احسان کا بہت شکریہ ادا کیا۔

---

(۱۶۴)

اسلمی اور مُحلّب

حکایت ہے کہ یثرب میں ایک شخص رہتا تھا، جس کا نام اسلمی تھا، وہ بیان کرتا ہے میرے اوپر قرض کا بوجھ بہت زیادہ ہوگیا تھا جن لوگوں کے روپیے باقی تھے اُن کے تقاضے نے اتنی شدید صورت اختیار کر لی کہ دنیا اپنی پوری وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا میں کیا کروں اور کس طرح اس مصیبت سے نجات پاؤں، اپنے ایک گہرے اور قابل اعتماد دوست سے میں نے مشورہ کیا اس نے رائے دی کہ عراق جاکر مجھے محلّب بن ابی صفرہ سے ملنا چاہیئے۔

میں نے اپنے اس دوست سے کہا، تم نے بڑی کٹھن راہ دکھائی میں اس پر نہیں چل سکتا۔ چنانچہ مشورہ کے لئے میں اپنے ایک دوسرے دوست کے پاس پہنچا، یہ بھی اپنے خلوص اور سچائی میں سے کم نہیں تھا۔ میری ساری رام کہانی سنکر اس نے بھی وہی رائے دی جو پہلے نے دی تھی۔

آخر میں نے سوچا کہ جب دونوں کی رائے یہی ہے تو مجھے اسی مشورے پر عمل کرنا چاہیئے۔

چنانچہ میں سانڈنی پر سوار ہوا اور عراق کی طرف چل کھڑا ہوا وہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے میں مہلب سے ملا، میں نے اُسے سلام کیا اور اس سے کہا

خدا امیر کو شاد اور بامراد فرمائے، میں قطع مسافت کرتا ہوا یثرب سے یہاں تک آیا ہوں، بعض دوستوں نے مجھے یہ رائے دی کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مصائب کی داستان بیان کروں، اگر آپ میرے کام آجائیں تو نوازش اور اگر ایسا مناسب نہ سمجھیں تو کوئی شکایت نہیں۔

یہ سنکر مہلب نے اپنے حاجب سے کہا

انھیں لے جاؤ اور ہمارے خزانے میں جو کچھ اور جتنا کچھ بھی ہو سب انھیں دے دو۔

حاجب مجھے خزانہ میں لے گیا وہاں اسی درہم تھے، یہ سارے کے سارے مجھے مل گئے جب میں نے اتنی بڑی رقم اپنے قبضے اور تصرف میں دیکھی تو میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی،

پھر حاجب مجھے مہلب کے پاس لے گیا۔

اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا
تمہاری ضرورت پوری ہوگئی
میں نے کہا
اے امیر مجھے ضرورت سے بھی زیادہ مل گیا
مہلب نے کہا
اَلحمد اللہ ۔

نیت کا پھل

ایک گھنے جنگل میں، ایک درخت کے نیچے ایک غریب لڑکا چیخ چیخ کے رو رہا تھا، آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور وہ روتے روتے بے حال ہوا جا رہا تھا۔

اتفاقاً ایک دولت مند شخص کا جو شکار کھیلنے اس جنگل میں آیا تھا، گزر ہوا۔ اس نے لڑکے کی آواز سنی، سیدھا اس کے پاس پہنچا اس کے قریب گیا اور اس سے پوچھا:

"تم کیوں رو رہے ہو بیٹے؟"

لڑکے نے جواب دیا۔

"ایک عرصہ دراز سے میری ماں بیمار ہے، باپ نے آج صبح مجھے شہر بھیجا کہ دوا خانہ سے جا کر دوا لے آؤں، لیکن بدقسمتی سے، وہ بٹوہ جس میں دام تھے، جیب سے گر گیا، اسی لئے رو رہا ہوں کہ اب گھر جا کر کیا جواب دوں گا؟"

یہ سنکر اس امیر شخص نے اپنے ساتھی شکاری سے کچھ باتیں کیں،

پھر اپنی جیب سے ایک بٹوہ نکالا، جو قرمزی رنگ کا تھا، جس میں سونے کے سکے اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے، پھر لڑکے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"یہی ہے نا وہ؟"

لڑکے نے جواب دیا:

"نہیں، یہ نہیں، —— اس میں سونے کے سکے بھی نہیں تھے!"

اب امیر نے جیب سے ایک اور بٹوہ نکالا، اور کہا۔

"یہ تھا تمھارا بٹوہ؟"

لڑکے نے خوش ہو کر کہا

"ہاں یہ تھا، یہی —— !"

امیر نے وہ بٹوہ لڑکے کو دے دیا، اور کہا

"اس کے ساتھ یہ سونے کے سکے بھی لے لو، یہ بھی تمھارے ہو گئے جزاک اللہ، شاباش!"

---

(۱۶۸)

استقامت کی برکت

خلیفہ ہارون رشید کے ایک محرم اسرار اور معتمد شخص کا جو محلِ شاہی میں ایک اونچے منصب پر مامور تھا بیان ہے کہ :-

ایک روز خلیفہ ہارون رشید کو اطلاع دی گئی کہ دمشق میں ایک شخص رہتا ہے جو بنو اُمیّہ کے بقیۃ السیف میں سے ہے۔ اس کے پاس بے انتہا مال و منال ہے، لوگ اس کی عزت و حرمت بھی کرتے ہیں، جس سے جو بات کہدیتا ہے، کسی کو مجالِ انکار نہیں ہوتی، اس کی کئی اولادیں اور بہت سے غلام ہیں، اس کے حامیوں کا بھی بہت بڑا گروہ ہے۔ یہ لوگ گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں اور ہر دم مسلّح اور ہتھیار بند رہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ان کی قوت و طاقت بڑھتی جاتی ہے اور یہ بات خطرہ سے خالی نہیں۔

رشید کو یہ باتیں بہت گراں گزریں، اُس نے مجھے بلایا اور کہا:-

" میں نے ایک خاص کام کے لئے تجھے بلایا ہے، وہ کام ایسا اہم ہے کہ اسی سوچ میں رات بھر مجھے نیند نہیں آئی !"

اور یہ کہکر خلیفہ نے وہ ساری داستان سنا ڈالی، جو ابھی اُوپر میں بیان کر آیا ہوں۔ اور اس کے بعد خلیفہ نے کہا:

"تمہارے سامانِ سفر کی تیاری کا میں نے حکم دے دیا ہے، جس چیز کی تمھیں ضرورت اثنائے سفر میں ہو سکتی ہے، وہ تیار ملے گی زادِ راہ بھی، نفقہ بھی، گھوڑے بھی، ——— بس اب تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ اپنے ساتھ ایک سَو غلاموں کا دستہ لو، اور ہاں دیکھو، یہ دو خط ہیں، ان میں سے ایک تو اُس اُموی کو دیدینا جس کا میں نے ذکر کیا تھا، اور جس کے لئے تجھے دمشق بھیج رہا ہوں۔ میرا خط پڑھکر اگر وہ اطاعت کا اظہار کرے تو اُسے میرے پاس لے آنا۔ اور اگر سرکشی کا مظاہرہ کرے تو دوسرا خط لے کر دمشق کے حاکم اعلیٰ سے مِلنا، تاکہ وہ تیری مدد کرے۔ پھر اس اُموی کو ذلیل اور سرنگوں کر کے میرے پاس لانا، اس معاملہ میں کسی پر اعتماد نہ کرنا۔ یہاں تک کہ اُسے میرے پاس پہونچا دینا۔ جب اس کے گھر میں جانا تو سارے گھر کو، اور گھر والوں کو اچھی طرح پہچان لینا۔ دیکھ لینا وہاں کون کون ہے؟ کیا کیا ہے؟ اس کے اہل و عیال کتنے ہیں؟ غلام اور ممالیک کتنے ہیں، متعلقین اور وابستگانِ دامن کی تعداد کیا ہے؟ اور یہ کون لوگ ہیں؟ اس کے مال و دولت کا کیا حساب ہے؟

وہ جو کچھ کہے اس کا ایک ایک حرف یاد رکھنا۔ کوئی بات خبردار فراموش نہ ہونے پائے، ہر بات اور ہر قول کو گرفت میں لے لینا!"

خلیفہ کی یہ باتیں سُن کر، میں سیدھا وہاں سے اُٹھا، باہر آیا تو سامانِ سفر تیار تھا۔ فوراً دمشق کی طرف چل کھڑا ہوا، اور بالآخر، طے مسافت کرتا ہوا، ایک روز دمشق پہونچ گیا، وہاں پہونچنے کے بعد سب سے پہلے میں نے یہ ارادہ کیا کہ مجھے اُموی کے گھر چلنا چاہیئے چنانچہ میں اس کے گھر میں بلا اجازت کے داخل ہوگیا۔ جب میں صحن میں پہونچا تو میں نے دیکھا، بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ مجھے دیکھکر یہ لوگ میری طرف بڑھے، میرا استقبال کیا، اور دریافت کیا۔

"آپ کون ہیں؟ کہاں سے تشریف لارہے ہیں؟ اور آنے کا مقصد کیا ہے؟"

میں نے کہا:-

"میں بغداد سے آرہا ہوں، خلیفہ ہارون رشید کا ایلچی ہوں، صاحبِ خانہ سے ملنا چاہتا ہوں، جو کچھ کہنا ہے اُنہی سے کہونگا، بتائیے وہ کہاں ہیں؟ ——— !"

لوگوں نے جواب دیا:

"حمام میں ہیں، تھوڑی دیر میں برآمد ہونگے!"

ان میں سے بعض لوگ اُموی کو میری اطلاع کرنے چلے گئے اور میں اطمینان سے گھر کے ماحول پر نظر ڈالنے اور اُسے پرکھنے لگا میرے پہونچنے سے گھر والوں میں ایک ہلچل سی پیدا ہوگئی تھی۔ میں بڑی دیر تک انتظار کرتا رہا، مگر صاحبِ خانہ برآمد نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہیں وہ شخص چھپ تو نہیں رہا؟

لیکن کچھ عرصہ کے بعد میں نے ایک بوڑھے شخص کو اپنی طرف آتے دیکھا، حمّام کے آثار اس کے بدن سے ہویدا تھے، میں سمجھ گیا صاحبِ خانہ یہی ہے۔ اُس نے مجھے اشارہ سے سلام کیا، پھر مجھ سے اخلاق کے ساتھ کہا:

"بیٹھئے، تشریف لائیے!"

میں بیٹھ گیا،

پھر اُس اُموی نے مجھ سے پوچھا:

"امیرالمومنین کے بارے میں کچھ فرمائیے!"

میں نے جو واقعہ تھا، وہ صاف صاف بیان کردیا، اتنے میں دو غلام، فواکھات کا ایک طباق لے کر آئے، صاحبِ خانہ نے کہا:

"آئیے، کچھ تناول فرمائیے!"

میں نے کہا:

"اُس وقت مجھے ذرا بھی اشتہا نہیں ہے، معاف کیجئے ــــ!"

وہ خاموش ہوگیا، اُس نے پھر کوئی اصرار نہیں کیا، اور خاموشی کے ساتھ اپنے ندیموں اور مصاحبوں کے ساتھ کھانے لگا، پھر اُس نے ہاتھ دھوئے اور حکم دیا:

"دسترخوان بچھے، کھانا لایا جائے!"

نہایت پرتکلف دسترخوان بچھا، اور طرح طرح کے لذیذ کھانے فوراً چُن دیئے گئے۔ خلیفہ ہارون رشید کے سوا ایسا مائدہ فاخرہ میں نے کہیں اور نہیں دیکھا تھا۔ دسترخوان پر جو کھانے چُنے گئے، وہ بھی نہایت لاجواب تھے، جب دسترخوان بچھ گیا، اُموی نے مجھ سے کہا:

"آئیے، کھائیے۔"!

میں نے کہا:

"ذرا بھی بھوک نہیں ہے، معافی چاہتا ہوں"

اُس نے دوبارہ اصرار نہیں کیا، اور اپنے ندیموں اور مصاحبوں کے ساتھ کھانے میں مصروف ہوگیا۔

میرے ساتھ جو غلام آئے تھے، میرے داخلہ کے بعد اُموی کے غلام اُنھیں دوسرے گھر میں لے گئے، میرے ساتھ صرف پانچ غلام

باقی رہ گئے، جو میرے پاس دست بستہ اور مؤدب کھڑے تھے۔
میں نے اپنے دل میں کہا:

"یہ تو بہت ڈراؤنا آدمی معلوم ہوتا ہے، اگر مجھ پر کچھ سختی کرے تو میں مدافعت بھی نہیں کر سکتا، اور جو غلام میرے ساتھ ہیں، وہ بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر میں اس کی سرکشی کی صورت میں اس پر زیادتی اور زبردستی کرنا چاہتا ہوں تو بھی نہیں کر سکتا ــــــ!"

میں یہ باتیں سوچ رہا تھا، اور اُموی کی طرف دیکھ رہا تھا، اب میں نے محسوس کیا کہ یہ شخص میری توہین بھی کر رہا ہے بلکہ رفتہ رفتہ حد سے آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ میرا نام اسی طرح لے کر پکار رہا ہے، جس طرح خود خلیفہ مجھے پکارتا ہے لیکن کہاں وہ اور کہاں یہ؟ اُس نے مجھے کھانے اور ناشتہ کی دعوت دی، میں نے انکار کر دیا، لیکن اُس نے پروا بھی نہ کی، اور خود اطمینان سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ اُسے اس کی فکر بھی نہیں ہے کہ میں کیوں آیا ہوں؟ کیا چاہتا ہوں؟ کیا کر سکتا ہوں؟ یہ اس طرح مطمئن اور بے فکر ہے، جیسے، اُسے نہ کوئی اندیشہ ہے نہ وسواس۔ یہ بے فکر اور مطمئن بیٹھا ہے، اور میں طرح طرح کے اندیشوں اور فکروں سے گھرا ہوا تھا۔

جب وہ کھانے سے فارغ ہوا، تو اُس نے ہاتھ دھوئے، اور اور ظہر کی نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا، اس کی نماز میں ایک خاص قسم کا اثر اور گداز تھا، ارکانِ نماز بھی اُس نے بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے ادا کئے۔ پھر وہ محراب سے باہر آیا، اور میری طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

"تم کیوں آئے ہو؟"

میں نے امیرالمؤمنین کا مکتوب جیب سے نکالا اور پیش کر دیا، اُس نے خط ہاتھ میں لیا، مہر توڑی، لفافہ کھولا، اور پڑھنا شروع کر دیا۔ جب پڑھ چکا، تو اپنی اولاد کو، اور اپنے حاشیہ نشینوں، اور مصاحبوں کو طلب کیا، ان لوگوں کی بہت کافی تعداد تھی، جب وہ سب جمع ہوگئے، تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اب یہ میرے اور میرے آدمیوں پر حملہ آور ہو گا، جب سب جمع ہوگئے، تو اُس نے نہایت اطمینان کے ساتھ ان سے کہا:

"یہ امیرالمؤمنین کا فرمان ہے، جو میرے پاس آیا ہے، اب میرے لئے یہاں ایک منٹ بھی ٹکنا محال ہے، میں امیرالمؤمنین کے پاس جاتا ہوں، لیکن تن تنہا، میرے ساتھ کوئی شخص نہیں جا سکتا"

پھر میری طرف مخاطب ہوا، اور کہا:

"آؤ، ہتھکڑیاں بیڑیاں لاؤ، اور مجھے گرفتار کرلو!"

میں نے اپنے غلاموں کو حکم دیا:

"گرفتار کرلو!"

اُنھوں نے گرفتار کرلیا، اور اُسے لے جاکر محمل میں ڈال دیا، میں محمل کے دوسرے حصہ میں بیٹھ گیا، اور اپنے مختصر سے قافلہ کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُموی تنِ تنہا اپنی محمل میں پڑا تھا، ہم چلتے رہے، یہاں تک کہ ہم دمشق سے باہر آگئے، اب وہ اموی مجھ سے باتیں کرنے لگا، یہاں تک کہ ہم غوطہ کے باغ میں پہونچے، اُس نے کہا:

"آپ نے اسے دیکھا؟"

میں نے کہا،

"ہاں دیکھا، —— خوب ہے!"

وہ بولا!

"یہ میرا ہے، اس میں ایسے ایسے درخت ہیں جو کہیں اور نہیں مل سکتے، ایسے ایسے پودے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں!"

یہاں تک کہ ہم باغ کو پار کرگئے، اور وہ بدستور باتیں کرتا رہا۔ اب ہم لہلہاتے ہوئے کھیتوں، اور سرسبز وشاداب دیہاتوں

کی طرف سے گزرے، اور اب پھر وہ ویسی ہی باتیں کرنے لگا جیسی اُس نے باغ سے گزرتے وقت کی تھیں، اس کی یہ جرأت مجھے ناگوار گزری، میں نے کہا:

"کیا تم اسے بھول گئے کہ امیرالمومنین تمھیں سزا دینے کے لئے تُلے ہوئے ہیں؟ اُنھوں نے تم میں اور تمہارے مال ودولت اور آل واولاد میں تفرقہ کردیا ہے۔ تم قید اور گرفتاری کی حالت میں تنِ تنہا اُن کی طرف جارہے ہو، اور بجائے یہ سوچنے کے کہ تمہارا حشر کیا ہوگا؛ مجھ سے اپنے کھیتوں اور باغوں کا ذکر کررہے ہو؟ آخر تمھیں ہوا کیا ہے؟"

میری باتیں سُن کر وہ بولا:

"افسوس، ——— میں نے تمہاری فہم ودانش کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی وہ بالکل غلط نکلی۔ میں نے خیال کیا تھا، تم مرد عاقل ہو، خلیفہ کی بارگاہ میں اس درجہ تک جو پہونچے ہو اس میں تمہاری فہم وفراست کا بہت بڑا حصہ ہوگا، اور خلیفہ نے تمھیں عقیل وفہیم سمجھکر یہ منصب سونپا ہوگا، لیکن اب اندازہ ہوتا ہے کہ تم میں اور ایک معمولی آدمی میں کوئی فرق نہیں، بالکل ہی نادان اور نرے بے وقوف ہو!"

پھر وہ بولا:-

"جہاں تک دمشق سے اس حالِ زار میں میرے نکلنے کا تعلق ہے
تو اس کی مجھے ذرا بھی پروا نہیں، کیونکہ میں کسی مادّی اور مالی چیز
پر بھروسہ نہیں کرتا، میرا بھروسہ خدا پر ہے، صرف خدا پر۔ اس
کے ہاتھ میں جس طرح میری زندگی، اور عزت ہے، اسی طرح، بالکل
اسی طرح، خلیفۂ وقت کی پیشانی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے، چاہے
گراؤں چاہے سربلند کروں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ میں نے کوئی
گناہ نہیں کیا، پھر میں ڈروں کیوں؟ اندیشہ کس لئے کروں؟
جب اُسے صحیح حالات معلوم ہوں گے، تو وہ خود محسوس کرے گا،
کہ یہ حاسدوں اور دراندازوں، چغل خوروں، اور لگائی بجھائی
کرنے والوں کی شرارت اور خیانت ہے، میرا دامن بالکل پاک
اور صاف ہے۔ میرے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سرتاسر
غلط ہے۔ دروغ اور جھوٹ ہے، صداقت اور حقیقت کا اس
میں شائبہ تک نہیں، یقیناً خلیفہ صحیح حالات سے باخبر ہونے کے
بعد عزت اور عظمت کے ساتھ مجھے میرے اہل وعیال کی طرف
واپس کردے گا۔ اور اگر خدا کی مرضی یہی ہو کہ مجھے گزند پہونچے،
اور میری موت قریب آگئی ہے، تو یہ کام خواہ خلیفہ کے ہاتھوں

انجام تک پہونچے یا کسی اور کے ذریعہ ، بہرحال ہوکر رہے گا۔ کسی طرح رُک نہیں سکتا ، خدا سے ہرحالت میں میرا رشتہ قائم رہے گا کہ وہی پیدا کرتا ہے ، وہی رزق دیتا ہے ، وہی زندگی عطا فرماتا ہے وہی موت کا بُلاوا بھیجتا ہے !"

پھر وہ اُموی کہنے لگا :

"میرا خیال تھا ، تم یہ باتیں سمجھتے اور جانتے ہوگے ، لیکن خلافِ اُمید میں نے تمھیں نادان اور جاہل پایا۔ لہذا میں اب تم سے بالکل بات نہیں کروں گا ، ایک حرف بھی نہیں ، یہاں تک کہ ہم امیرالمومنین کے حضور میں پہونچ لیں ، اور وہ اپنا فیصلہ صادر کردیں !"

پھر وہ اُموی میری طرف پیٹھ کرکے بیٹھ گیا ، پھر بغداد تک میرے کانوں نے اُس سے جو کچھ سُنا ، وہ تسبیح و تہلیل کے سوا کچھ نہ تھا !"

یہاں تک کہ ہم دارالسلام بغداد میں داخل ہوئے ، میں اُسے لیکر سیدھا خلیفہ کے حضور میں پہونچا ، خلیفہ نے کہا :

"کیا کر آئے ؟"

میں نے جواب میں ساری رام کہانی ، از اول تا آخر سُنا ڈالی

ناشتہ کی کہانی، کھانے کی روداد، دسترخوان کا حال، باغ
بستان کی کیفیت، لہلہاتے ہوئے کھیتوں، اور سرسبز و شاداب
دیہاتوں کا ذکر، سب ہی تو میں نے سُنا ڈالا، اور پھر محمل کے
اندر جو باتیں اس نے میرے بارے میں کی تھیں، اور اپنی پاک
دامانی کا جس طرح اظہار کیا تھا اور باقی سارا وقت جس طرح
تسبیح و تہلیل میں گزارا تھا، سارا ماجرا میں نے خلیفہ کو سُنا
ڈالا۔ خلیفہ کا چہرہ کبھی غصہ سے سُرخ ہو جاتا، کبھی مسرت کی
شگفتگی پیدا ہو جاتی۔ جب وہ سُن چکا تو بولا:

"خدا کی قسم اس شخص کا جرم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ
محسود ہے۔ کچھ لوگ اس کے مال و دولت سے حسد کرتے ہیں۔
اس لئے تہمت لگاتے ہیں، مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں نے اسے
اتنی تکلیف دی اور ایذا پہونچائی —— جا، جلدی سے
اسے ہتھکڑی بیڑی سے آزاد کر، اور میرے حضور میں پیش کر!"

میں باہر نکلا، اُموی کو قیدِ گراں سے آزاد کیا اور خلیفہ
کے حضور میں اُسے لے کر پہونچا، میں نے دیکھا، امیرالمومنین کے
چہرے پر ندامت کا پسینہ موجود تھا۔

اموی خلیفہ کے قریب پہونچا، اُسے سلام کیا، خلیفہ نے بڑے

تکلف و اخلاق سے سلام کا جواب دیا، پھر حکم دیا:

"بیٹھو!"

وہ بیٹھ گیا، اور خلیفہ اُس سے حالات دریافت کرتا رہا اور وہ اموی بڑے اچھے طریقے سے تمام سوالات کا جواب دیتا رہا پھر خلیفہ نے اُس سے کہا:

"ہم نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا تھا، ہمارا جی چاہا کہ تم سے ملیں، تم پر احسان کریں، بتاؤ کیا مانگتے ہو؟ کوئی آرزو ہو تو پیش کرو"!

اُموی نے کہا:

"آپ کے اس لطف و احسان کا زندگی بھر سپاس گذار رہونگا میری دعا ہے خدا آپ کی عزت اور زندگی کو دوام عطا فرمائے!"

خلیفہ نے کہا:

"لیکن کوئی حاجت؟"

وہ بولا،

"جی ہاں، صرف ایک!"

خلیفہ نے کہا:

"ضرور پوری کی جائے گی، بتاؤ، وہ حاجت کیا ہے؟"

وہ کہنے لگا:

"مجھے میرے شہر میں، میرے اہل و عیال کے پاس واپس کر دیجئے"!

خلیفہ نے کہا:

"یہ ہو جائے گا، ———— لیکن ضروریاتِ حیات کے سلسلہ میں، جس چیز کی حاجت ہو وہ بھی تو مانگو، ہم دیں گے۔"!

اموی نے کہا:

"آپ کی سرپرستی اور انصاف نے مجھے مستغنی کر دیا ہے، امیرالمؤمنین کے زیرِ سایہ مجھے ہر سہولت حاصل ہے!"

خلیفہ نے اُسے اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس کر دیا!"

(بحر الادب)

طمع وقناعت

(۱۶۹)

قناعت کی شان

ایک مرتبہ داؤد طائیؒ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے، نان شبینہ کا سہارا بھی جاتا رہا۔ اسی دوران میں حمّاد بن ابی حنیفہؒ اپنے والد کے ترکہ میں سے چار سو درہم لے کر آئے، اور موصوفؒ کی خدمت میں پیش کئے۔

داؤد نے حماد سے کہا:

"اگر پہلے کبھی میں نے کسی سے کچھ لیا ہوتا، تو بلاشبہ آپ کا یہ عطیہ ضرور، مرحوم کی تعظیم، اور موجود کی تکریم کے پیش نظر قبول کر لیتا، لیکن میں اسے پسند کرتا ہوں کہ قناعت کے ساتھ عزت اور رواداری کی زندگی بسر کروں!"

۱۷۰

عجیب و غریب نسخہ

ایک صوفی کی روایت ہے کہ:

"میں بادیہ پیمائی کرتا، ادھر اُدھر کے چکّر کاٹتا ایک شہر میں پہونچا، دیکھا ایک طبیب کے دروازے پر مریضوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگا ہے، وہ بیچ میں بیٹھا ہے اور مریض اسے گھیرے ہیں۔ وہ ہر ایک کی نبض دیکھتا ہے، حال سنتا ہے، نسخہ لکھتا ہے، اور رخصت کر دیتا ہے۔ لیکن مریضوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ایک جاتا ہے تو اس کی جگہ لینے کو دو آدمی پہونچ جاتے ہیں۔ میں بھی انھیں مریضوں میں گھُل مل کر بیٹھ گیا۔ جب میری باری آئی تو میں نے طبیب سے کہا:

"خدا آپ پر رحم کرے، میرا روگ کسی طرح دور کر دیجئے!"

طبیب نے ذرا کی ذرا مجھے موڑ کر دیکھا، اور یہ نسخہ استعمال کرنے کی ہدایت کی:"

"فقر کی ٹہنیاں، صبر کی پتیاں، تواضع کے پھول، ان سب کو

ایک جگہ جمع کر کے، یقین (ایمان) کے برتن میں ڈالو، پھر اس مجموعہ پر زندگی کا پانی چھڑکو، اور اس کے نیچے حزن کی آگ لگاؤ، پھر رضا کے جام میں، توکل کی شراب اُنڈیلو، صدق کی ہتھیلی پر جام رکھو اور استغفار کے پیالہ میں سب چیزیں ڈال کر پی جاؤ۔ اس کے بعد خوفِ خدا کے پانی سے مضمضہ (ناک میں پانی ڈالنا) کرو، اور اپنے نفس کو حرص و طمع کے حملوں سے محفوظ رکھو۔ بس اس نسخے کے استعمال کے بعد، خدا نے چاہا تو تمہارا سارا روگ جاتا رہے گا۔!

---

(۱۷۱)

کنجوس سے سوال!

مدینہ کے سب سے بڑے طماع شخص اشعب بن جبیر سے، جو حضرت عبداللہ بن الزبیر کے غلام تھے، اور جن کی کنّیت ابو العُلا تھی، پوچھا گیا۔

"تمہاری طمع اور حرص کی شدت کا کیا عالم ہے؟"

جواب دیا:

"جب کسی جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے لوگوں میں سے دو آدمیوں کی آپس میں کانا پھوسی کرتے دیکھتا ہوں تو مجھے گمان ہوتا ہے مرنے والا ضرور اپنے مال میں سے میرے لئے کچھ وصیت کر گیا ہے۔ اسی طرح جب کسی شخص کو جیب میں ہاتھ ڈالتے دیکھتا ہوں تو گمان ہوتا ہے، یہ اب مجھے کچھ نہ کچھ ضرور دے گا!"

(۱۷۲)

بہت بڑا پیٹو!

روایت ہے ایک پیٹو شخص، کسی کلیسا میں پہونچا، وہاں کے راہب نے اس کی خاطر داشت کی، اخلاق و مدارات کی باتیں کیں، پھر بڑے نیاز مندانہ لہجہ میں کہا:

"کھانا تناول فرمایئے، حاضر ہے!"

پیٹو نے جواب دیا:-

"کچھ ایسی بھوک تو نہیں، لیکن لائیے کھا لوں گا، کچھ نہ کچھ!"

راہب جلدی سے اندر گیا، اور بہت سی روٹیاں لاکر سامنے رکھ دیں، پھر دوبارہ وہ دال لینے چلا گیا، دال لے کر جب آیا تو پیٹو صاحب روٹیاں ختم کر چکے تھے، دال رکھکر وہ روٹیاں لینے دوبارہ گیا، جب واپس آیا، تو دال کا صفایا ہو چکا تھا۔ اب روٹیاں رکھکر وہ پھر دال لینے گیا، واپس آکر دیکھتا کیا ہے کہ ساری روٹیاں غائب، آخر پھر دال رکھکر وہ روٹیاں لینے چلا گیا، اور جب تک واپس آئے تو ، دال ختم ہو چکی تھی۔

یہی واقعہ یعنی روٹی لانے تک دال ختم ہونے اور دال لانے تک روٹی ختم ہونے کا دس مرتبہ گزرا، آخر راہب بیچارے سے نہ رہا گیا، اُس نے سوال کیا،

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

پیٹو نے جواب دیا:

"رے تک!"

راہب نے پوچھا،

"سفر کا مقصد؟"

پیٹو نے کہا:

"مجھے معلوم ہوا ہے، وہاں ایک کامل طبیب رہتا ہے، اس سے اصلاحِ معدہ کی دوا لوں گا، تاکہ بھوک کھُل کر لگنے لگے، آج کل نہ بھوک کھُل کے لگتی ہے نہ کچھ کھایا جاتا ہے۔"

راہب نے کہا:

"میری ایک درخواست ہے!"

"وہ کیا؟"

"جب آپکا معدہ کام کرنے لگے، تو مہربانی کر کے دوبارہ یہاں قدم رنجہ نہ فرمائیے گا!"

(۱۷۳)

طلبِ دنیا کا انجام

ایک مرتبہ تین دوست ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے، راہ چلتے چلتے انھیں ایک جگہ خزانہ نظر آیا، تینوں نے جلدی سے اس پر قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔

اِن دوستوں نے آپس میں کہا:

"ہم سب بھوکے ہیں، ہم میں سے ایک شخص بازار چلا جائے، اور کھانا خرید لائے، تاکہ ہم سب شکم سیر ہو کر کھائیں!"

چنانچہ تینوں میں سے ایک شخص کھانا خریدنے کے لئے چلا گیا۔ راستے میں اُس نے سوچا، کھانے میں اگر زہر ہلاہل ملا دوں تو دونوں ساتھی ہلاک ہو جائیں گے اور سارا خزانہ میری ملکیت بن جائے گا۔ آخر اُس نے ایسا ہی کیا، کھانے کے ساتھ زہر بھی خرید لیا اور اس میں ملا دیا۔

اس کی عدم موجودگی میں باقی دونوں ساتھیوں نے آپس میں مشورہ کیا اور طے کیا کہ جب وہ کھانا لے کر آئے تو اُسے قتل کر دیا جائے، اور سارا کا سارا خزانہ ہم دونوں آپس میں تقسیم کر لیں۔ اس رائے پر

اتفاق ہوگیا۔

جب وہ کھانا لے کر آیا تو دونوں دوست اس پر حملہ آور ہوئے اور اُسے کاٹ کر دل کو پھر اطمینان سے دونوں نے زہر ملا ہوا کھانا کھایا، اور کھاتے ہی زہر کے اثر سے ہلاک ہوگئے۔

جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اُدھر سے گزر ہوا تو انھوں نے اپنے حواریوں سے فرمایا۔

"تم نے دیکھا، یہ تینوں کے تینوں کس طرح دنیا کی طلب میں ہلاک ہوئے؟ افسوس ہے ان لوگوں پر جو دنیا کے پیچھے پڑے ہیں!"

(المتبرالمسبوک)

(۱۷۴)

چاہ کندہ را چاہ در پیش

ایک بدو، کسی طرح خلیفہ معتصم باللہ کے دربار میں باریاب ہو گیا خلیفہ کو وہ کچھ ایسا پسند آیا کہ اس نے بدوی کو اپنا مصاحب اور ندیم بنا لیا، ہر دم اسے اپنے پاس رکھتا، اس سے باتیں کرتا، اس کی باتیں سُنتا، خصوصیت اتنی بڑھ گئی کہ اُسے اجازت مل گئی کہ وہ جب چاہے بغیر کسی پوچھ گچھ کے حریم خلافت میں باریاب ہو سکتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ روک ٹوک کر سکے۔

معتصم کے ایک وزیر نے اس بدو کی یہ سرافرازی جو دیکھی تو دل میں جل گیا، اور دل ہی دل میں کہنے لگا یہ شخص تو بڑے مزے میں رہا ہینگ لگی نہ پھٹکری رنگ آیا چوکھا۔ خلیفہ سے انعام و اکرام کے سلسلہ میں بھی کافی رقم اینٹھ لیتا ہے، اور درماہہ و منصب کے نام سے بھی، کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہیئے، کہ اس اُجڈ گنوار کا پتّہ کاٹا جائے، اور اسے خلیفہ کے دربار سے حقیر و ذلیل کر کے بیک بینی و دو گوش نکلوایا جائے۔

یہ سمجھ کر اُس نے بدّو سے رسم وراہ بڑھائی، اور یارانہ پیدا کرلیا۔ وہ اُس سے بہت زیادہ لطف اور خلوص کا برتاؤ ظاہر میں کرنے لگا تاکہ بدّو اسے اپنا سب سے بڑا، اور مخلص دوست سمجھنے لگے۔ کبھی اس کی دعوتیں کرتا، کبھی اسے گانا سنواتا، کبھی اسے اپنے ساتھ سیر و تفریح میں شریک کرلیتا، آخر رفتہ رفتہ اُس نے بدّو کا اعتماد حاصل کرلیا اور وہ اسے واقعی اپنا مخلص دوست سمجھنے لگا۔

ایک روز وزیر نے بدّو کی دعوت کی، اور اس کے لئے طرح طرح کے لذیذ اور مرغّن کھانے پکوائے، لیکن ان کھانوں میں اُس نے باورچی کو تاکید کرکے لہسن بہت زیادہ ڈلوا دیا، کھانے کے بعد، وزیر نے بدّو سے کہا:

"کہو کھانا پسند آیا"

"جی ہاں بہت زیادہ!"

وزیر نے کہا:-

"لیکن آج خلیفہ سے دُور ہی رہنا ذرا!"

"یہ کیوں؟"

"اس لئے کہ خلیفہ کو لہسن کی بُو سے سخت نفرت ہے، اور تمہارے مُنہ سے بُو آرہی ہے!"

دعوت ختم ہونے کے بعد بدو ہی چلا گیا، اور وزیر سیدھا خلیفہ کے پاس پہونچا۔ اس وقت بدو خلیفہ کے پاس موجود نہیں تھا، اس ڈر سے کہیں خلیفہ لہسن کی بو نہ سونگھ لے۔ یہ اچھا موقعہ دیکھکر وزیر نے خلیفہ سے بدو کی خوب بُرائیاں کیں، اور کہا:

"آج تو وہ آپ کی بہت بُرائیاں کر رہا تھا!"

خلیفۂ معتصم نے حکم دیا،

"بدّو فوراً حاضر کیا جائے!"

وزیر اس اثنا ریں کھسک گیا، خلیفہ نے بدّو سے کہا!

"قریب آؤ!"

وہ قریب آیا، لیکن احتیاطاً اُس نے اپنی آستین منہ پر رکھ لی کہ کہیں لہسن کی بو خلیفہ تک نہ پہونچ جائے۔!"

خلیفہ نے اپنے دل میں خیال کیا، وزیر نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، وہ یقیناً صحیح ہے، ورنہ اس پر اس وقت اتنی دہشت اور گھبراہٹ نہ ہوتی۔"

خلیفہ نے اپنے ایک عامل کو ایک شقہ لکھا،

"حامل ہذا کی فوراً گردن اُڑا دو!"

وہ خط بدّو کو دیا اور کہا۔

"جاؤ اس کا جواب لے کر فوراً آؤ!"

بدّو خلیفہ سے اپنا پروانۂ موت لے کر اپنی سادہ لوحی کے باعث خوشی خوشی باہر نکلا، وہاں وزیر موجود تھا، اُس نے جو بدّو کو خوش اور بے فکر پایا سمجھ گیا، اس گنوار نے پھر خلیفہ کو اپنی باتوں سے پرچا لیا ہے، اُس نے بدّو سے دریافت کیا:

"کہاں جا رہے ہو؟"

وہ بولا:

"خلیفہ کا مکتوب لے کر، فلاں عامل کے پاس جا رہا ہوں۔"

یہ سُن کر وزیر کو خیال ہوا، ضرور آج پھر اس گنوار نے انعام اکرام حاصل کیا ہے، یہ سوچ کر کہنے لگا:

"تم وہاں جانے کی زحمت کیوں اُٹھاتے ہو، یہ لو دو ہزار درہم، تم اپنے گھر جاؤ، آرام کرو، میں خلیفہ کا یہ مکتوب لے کر جاتا ہوں اور جواب لاکر خلیفہ کو دے دوں گا، سچ پوچھو تو میرا یہی کام ہی ہے!"

بدّو رضامند ہوگیا، اور وزیر سے دو ہزار درہم لے کر ہشاش بشاش اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا، اُس کے جانے کے بعد، وزیر نے وہ خط لیا اور سیدھا خلیفہ کے عامل کے پاس انعام و اکرام کی طلب میں روانہ ہوگیا۔ اُس نے جاتے ہی خلیفہ کا نامہ عامل کی خدمت

میں بھیج دیا، اور عامل نے وہ نامہ پڑھتے ہی اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ جو شخص باہر کھڑا جواب کا انتظار کر رہا ہے اُس کی گردن اڑا دی جائے غلام باہر آئے، اور اُنھوں نے عامل کے حکم کی تعمیل کر دی، وزیر چیختا ہی رہ گیا، میری تو سنو، مجھے دیکھو تو میں کون ہوں؛ لیکن وہاں کون سنتا تھا؛ وہ چیختا ہی رہ گیا، اور اُس کی گردن اُڑا دی گئی۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد، خلیفہ کو بدوی اور وزیر کا خیال آیا، اُس نے کہا:

" بدوی کا کیا ہوا؟ اور وزیر کیوں حاضر دربار نہیں ہوتا؟"

جواب دیا گیا:

" بدوی شہر میں مقیم ہے، یاد نہیں کیا گیا اس لئے نہیں حاضر ہوا، اور وزیر صاحب نہ معلوم کہاں ہیں، پتہ نہیں؟"

یہ جواب سُن کر معتصم کو بڑی حیرت ہوئی، اُس نے بدو کو بلایا، اُس سے ماجرا پوچھا، اُس نے ساری کہانی از اوّل تا آخر سُنا دی۔"

معتصم کو جب اصل واقعہ معلوم ہوا، تو وہ وزیر کی ہلاکت سے خوش ہوا، اور بدو سے اور زیادہ اچھا برتاؤ کرنے لگا۔!

(۱۷۵)

لطیفہ!

ایک بادشاہ تھا، بہت سخی اور دریا دل، اُس کی سخاوت کا ڈنکا دُور دُور بجتا تھا،

ایک روز کوئی مچھیرا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس نے بڑی عقیدت اور اُمید کے ساتھ ایک مچھلی پیش کی۔ بادشاہ نے حکم دیا، اُسے چار ہزار درہم فوراً خزانۂ شاہی سے عطا کئے جائیں۔

مچھیرا یہ رقم پاکر خوشی سے پھولا نہ سمایا، جیسے ہی وہ باہر گیا ملکہ نے جو بادشاہ کی اس سخاوت سے جل اُٹھی تھی، بڑے تیکھے انداز میں کہا:

"اس مچھلی کی زیادہ سے زیادہ جو قیمت ہو سکتی ہے وہ ایک درہم ہے، آپ نے ایک دم چار ہزار درہم دے ڈالے، اس طرح رعایا کی نظر میں آپ کی کیا وقعت رہ جائے گی؟"

بادشاہ نے ملکہ کی باتیں سُنیں، مُسکرایا اور کہا:-

کہتی تو ٹھیک ہو، لیکن بادشاہ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اُن کو دی ہوئی چیز واپس لے —— بتاؤ اب کیا کیا جائے؟"

ملکہ نے جواب دیا:

"میں ایک بڑی اچھی ترکیب بتاتی ہوں، رقم کی رقم واپس مل جائے گی، اور آپ کی بات بھی رہ جائے گی!"

بادشاہ نے کہا:-

"تو بتاؤ پھر؟"

ملکہ بولی:-

"مچھیرے کو بُلائیے، اور اُس سے پوچھئے، یہ مچھلی جو تم لائے ہو، اس کی جنس کیا ہے؟ اگر وہ کہے کہ نر ہے، تو کہئے مجھے تو مادہ چاہیئے تھی، میں نر نہیں لیتا۔ اگر کہے مادہ ہے تو فرمائیے گا، مجھے تو نر چاہیئے، یہ اپنی مادہ واپس لے جاؤ۔"

بادشاہ ملکہ کی باتیں سُن کر ہنس پڑا، اُس نے کہا:

"واقعی تم نے بڑی اچھی ترکیب بتائی، میں یہی کرتا ہوں"

بادشاہ کے حکم سے فوراً مچھیرا بُلوایا گیا، جب وہ حاضر ہوا، تو بادشاہ نے وہی سوال کیا جو ملکہ نے بتایا تھا۔

مچھیرے نے کہا:

"میرے آقا، یہ مچھلی نہ نر ہے نہ مادہ، بلکہ مخنّث ہے!"

بادشاہ ہنس پڑا، اُس نے ملکہ سے کہا،

" اس نے بڑے مزے کی بات کہی، اب لازم ہے کہ تم بھی اسے چار ہزار درہم انعام دو!"

چنانچہ ملکہ کو بھی چار ہزار درہم دینا پڑے، اور مچھیرا خوش خوش یہ دولت لے کر چلا گیا۔"!

---

(۱۷۶)

مؤمن کی فراست

ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے تھے، آپ محوِ استراحت تھے اور آپؐ کی تلوار آپؐ کے پہلو میں رکھی ہوئی تھی۔ بعض اعدائے اسلام کی آپؐ پر نظر پڑی، اُنھوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے ایک آدمی آنحضرت کے پاس بھیجا کہ وہ ترکیب سے کام لے کر آپؐ کا کام تمام کر دے۔

چنانچہ وہ شخص آپؐ کے پاس آیا، اور کہا:۔

"اے محمدؐ، ذرا اپنی یہ تلوار تو دکھانا!"

آپؐ نے وہ تلوار اُسے مرحمت فرما دی، وہ اُسے اُلٹنے پلٹنے لگا۔ جب وہ ارادہ کرتا کہ حضور پر وار کرے، اُس کے دل میں ایسی ہیبت آپ کی پیدا ہو جاتی کہ وہ لرزہ براندام ہو جاتا، آخر اُس نے تلوار آپؐ کو واپس کر دی اور اپنے لوگوں میں واپس آگیا۔

ساتھیوں نے پوچھا:

"تم نے محمدؐ کو جیتا کیوں چھوڑا؟"

وہ بولا :

" میں مرعوب ہوگیا ، مجھے اس کا وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ محمدؐ میں یہ ہیبت ہوگی !"

ساتھیوں نے کہا ،

" ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے ، — جاؤ ، پھر جاؤ۔ کسی بہانہ سے تلوار مانگو ، اور اب کی بس کام تمام ہی کر آؤ !"

آخر وہ شخص پھر حضورؐ کے پاس آیا ، اور کہنے لگا ،

" یا محمدؐ مجھے بڑا ضروری کام ہے ، ذرا ایک مرتبہ پھر اپنی تلوار تو دینا "

آپ نے اپنے صحابہ سے کہا :

" اسے پکڑلو ، اور اس کی گردن مار دو !"

وہ کہنے لگا :

" یا محمدؐ ، میں نے پہلی مرتبہ جب تلوار لی تھی تو کوئی دھوکہ یا فریب تو نہیں کیا تھا ، پھر اس مرتبہ آپ اندیشہ کرنے لگے ؟"

آپ نے فرمایا :

" اس کی گردن ماردو — لا یلدغ المؤمن من حجر مرتین " (مومن ایک ہی بل سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا)۔

اُس وقت سے آپ کا یہ قول "ضرب المثل" بن گیا !"

---

(۱۷۷)

حاضر جواب باورچی

ملک ایران کا ایک بادشاہ تھا، بڑا آتش خو، اور شعلہ مزاج، اس کا ایک رکابدار تھا، اپنے فن میں کامل اور شہرۂ آفاق۔

ایک مرتبہ وہ رکابدار بادشاہ کے سامنے کھانا چن رہا تھا کہ کوئی چیز اُس کے ہاتھ پر گر پڑی، یہ دیکھتے ہی بادشاہ کو جلال آگیا، اس کی نازک مزاجی، اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکی، بادشاہ کا بدلا ہوا رنگ دیکھکر رکابدار نے وہی ہاتھ سر پر پوچھ دیا۔ اب کی بادشاہ کو اور بھی زیادہ جلال آیا، اُس نے حکم دیا:

"اسے سامنے لاؤ!"

"وہ مشکیں باندھ کر حاضر کیا گیا۔"

بادشاہ نے کہا:

"میں جانتا ہوں، پہلی غلطی تجھ سے نادانستہ سرزد ہوئی، ہاتھ کانپ گیا، چیز گر پڑی، لیکن، یہ دوسری اس سے بھی بڑی غلطی کیسے سرزد ہوئی؟"

رکابدار نے جواب دیا :

"جہاں پناہ ، ـــــــ میں جانتا تھا اب میری جان نہیں بچ سکتی ، میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میرا سا قدیم نمک خوار اتنی معمولی سی بات پر مارا جائے ، اور لوگ بادشاہ کو بدنام کریں کہ وہ ایسا ظالم اور ستمگر ہے کہ ذرا ذرا سی غلطیوں پر لوگوں کی جان لے لیتا ہے ، لہٰذا میں نے پہلے سے بڑی غلطی کی تاکہ میرا جرم بھاری ہو جائے اور جس کے کان تک میرے قتل کی خبر جائے وہ یہی کہے کہ ہاں یہ رکابدار اس سزا کا مستحق تھا ، اور بادشاہ کو کوئی ظالم نہ کہہ سکے !"

بادشاہ اس لطیف معذرت سے خوش ہو گیا ، اور اُس نے رکاب دار کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا !

(عقدالفرید)

(۱۶۸)

منحوس کون ہی؟

ایک بادشاہ کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر صبح شگون لینے کا عادی تھا اگر نیک شگون دیکھتا تھا تو خوش رہتا تھا، اگر برا دیکھتا تھا تو سارا دن غیض وغضب کی حالت میں گزار دیتا تھا۔

ایک روز کیا ہوا کہ وہ صبح صبح شکار کے لئے نکلا، اُسے ایک اعرابی نظر آیا، یہ منظر جو مفلوک الحال، خستہ دور ماندہ تھا، بادشاہ نے جو اُسے دیکھا، اپنے ساتھیوں سے کہا:

"اسے پکڑ لو، یہ بڑا منحوس آدمی صورت سے معلوم ہوتا ہی!"

وہ آدمی فوراً پکڑ کر قید کر دیا گیا، طے یہ ہوا کہ جب بادشاہ شکار سے واپس آجائے گا تب اس کی قسمت کا آخری فیصلہ سنایا جائے گا۔"

شام کو بادشاہ بہت سا شکار لے کر شاداں و فرحاں واپس آیا، آج چونکہ شکار بہت ملا تھا، لہٰذا وہ بہت خوش تھا، بندِ قبا ٹوٹے جارہے تھے مارے خوشی کے!

بادشاہ نے آتے ہی حکم دیا :-

" اعرابی کو رہا کردیا جائے !"

جب، وہ رہا کیا گیا تو اُس نے کہا :

" میں بادشاہ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں !"

اُسے بادشاہ کے حضور میں حاضر کیا گیا ،

اُس نے کہا :

" اگر جان کی اماں پاؤں تو کچھ عرض کروں ؟"

بادشاہ نے کہا :

" کہو کیا کہنا چاہتے ہو ؟"

وہ بولا :-

" آپ نے شکار گاہ کی طرف جاتے ہوئے مجھے دیکھا، مجھے منحوس سمجھکر گرفتار کرایا، اور قید کا حکم دے دیا۔!"

بادشاہ نے کہا :-

" ہاں بھئی ؟"

" اعرابی بولا :

" پھر آپ شکار کو تشریف لے گئے ، اور دن بھر میں خوب شکار کرکے ہنسی خوشی واپس آئے !"

بادشاہ نے کہا:۔

"یہ بھی ٹھیک ہے آگے؟"

اعرابی نے کہا:

"لیکن میں نے آپ کو جب سے دیکھا ہے، مصیبت میں گرفتار ہوں، بغیر کسی خطا اور قصور کے گرفتار ہوا، قید ہوا، تکلیف اُٹھائی، سارا دن جیل میں کڑیاں جھیلتا رہا!"

بادشاہ نے اعرابی کی باتیں سُن کر کہا:

"تیرا مقصد کیا ہے؟"

اعرابی نے عرض کی:۔

"میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں، کہ دونوں میں منحوس کون ہے؟ میں یا آپ؟"

اعرابی کی یہ باتیں سُن کر بادشاہ بہت ہنسا اور گویا ہوا:

"اے اعرابی تو نے سچ کہا!"

پھر بادشاہ نے حکم دیا، اعرابی کو بہت سا انعام دیا جائے، وہ انعام سے اپنی جھولی بھر کر خوش خوش روانہ ہو گیا!

(۱۷۹)

ایک عابد اور ہارون رشید

خلیفہ ہارون رشید ایک مرتبہ حج کے لئے مکّہ گیا۔ وہاں یہ بات اُس کے گوش گزار ہوئی کہ تہامہ کی کھوہ میں ایک عابدِ شب زندہ دار رہتا ہے، جس نے دنیا سے اپنا ناتہ قطع کر لیا ہے، اور ایک گوشے میں بیٹھکر یادِ خدا کیا کرتا ہے۔ اس کی بزرگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ مجاب الدعوات ہے، یعنی جو دعا مانگتا ہے خدا اُسے قبول کر لیتا ہے۔

یہ سُن کر ہارون رشید کے دل میں عابد سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا چنانچہ وہ عابد کے پاس گیا، اور گویا ہوا

"مجھے آپ کچھ نصیحت کیجئے، جو آپ کی مرضی ہو اُس کا حکم دیجئے، خدا کی قسم میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا، جو کچھ آپ فرمائیں گے، اُسے بسر وچشم بجا لاؤں گا ـــــ!"

عابد نے رشید کی یہ باتیں سنیں، اور سکوت اختیار کر لیا، کوئی جواب نہیں دیا، آخر کچھ دیر جواب کا انتظار کر کے اور جواب نہ پاکر ہارون رشید

عابد کے پاس سے اُٹھ گیا،

جب ہارون رشید چلا گیا، تو عابد کے اصحاب میں سے ایک نے کہا:
"جب خلیفہ نے یہ قسم کھائی تھی کہ آپ کے ارشاد کی نافرمانی نہیں کرے گا اور جو کچھ آپ کہیں گے، اُسے بسر و چشم بجا لائے گا۔ تو آپ نے اُسے کیوں یہ حکم نہیں دیا کہ وہ خدا سے ڈرے، اور اپنی رعیت کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے؟ یہ تو بہر حال ایک نیک کام ہی کا حکم ہوتا؟"

عابد نے اپنے حاشیہ نشین کی یہ بات سنی، اور کچھ دیر تامل کرنے کے بعد جواب دیا:

"کیا میں خدا سے زیادہ عظمت رکھتا ہوں، کہ وہ جو کچھ حکم دیتا ہے ہاروں اُس کی تو نافرمانی کرتا ہے، اور میں جو کچھ کہوں گا، اُس کی وہ بسر و چشم تعمیل کرے گا۔"

اس جواب سے عابد کے ساتھی کو بڑی نصیحت ہوئی، اور وہ خاموش ہو گیا!"

---

(۱۸۰)

شاعر کی نصیحت!

خلیفہ معتصم باللہ کا وزیر فضل بن مروان بہت ظالم اور جفا کار شخص تھا، نہایت مغرور اور متکبر، ہر شخص پر دراز دستی پر مائل۔
معتصم فضل کے بارے میں کہا کرتا تھا:
"فضل بن مروان نے خدا کو خفا کر کے مجھے راضی کیا۔ اور اس طرح اللہ نے اُسے مجھ پر مسلط کر دیا!"
ایک مرتبہ مشہور شاعر ہیثم بن فراس فضل کے بعض عمال کا شکایت نامہ لے کر فریاد کناں اُس کی خدمت میں حاضر ہوا، لیکن فضل نے اُس کی طرف توجہ نہ کی، اور منہ پھیر لیا، یہ رنگ دیکھکر ہیثم نے فضل کو مخاطب کر کے یہ اشعار کہے:-
"اے فضل بن مروان، تو ظالم اور جابر ہے پس انتظار کر، اور یاد رکھ، تجھ سے بھی، فضل اور نفضل، اور فضل کی تربت بن چکی ہے۔"
"تین بادشاہوں نے اِن تینوں فضلوں کو چھوڑ دیا، وہ موت، قتل اور انقلاب کا تحفہ تھا۔"

پس اگر تو لوگوں کے ساتھ ظلم و جور کا برتاؤ کرتا رہے گا، تو تیرا بھی وہی حشر ہو گا جو تجھ سے پہلے تین فضلوں کا ہو چکا ہے !"

فضل نے ہیثم کے یہ اشعار جب سنے تو پوچھا :-

"ہیثم کی مراد کن فضلوں سے ہے ؟"

جواب ملا :

ہیثم کی مراد فضل بن یحیٰی، اور فضل بن سہل، اور فضل بن الربیع سے ہے !"

یہ سُن کر فضل بن مروان کا رنگ رخ بدل گیا، پھر وہ ظلم و جور سے باز آ گیا، یہاں تک کہ اس دنیا سے چل بسا !

(۱۸۱)

بدترین دشمن

ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر گھوڑے پر سوار جا رہے تھے، کہ راستہ میں ایک شخص نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اُنسے روکا، اور کہا:-

"اے امیر! میں خدا کا واسطہ دے کر تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری گردن ابھی اور اسی وقت مار دے!"

عبداللہ نے پوچھا،

"آخر کیا بات ہے؟"

وہ کہنے لگا،

"میرا ایک بدترین دشمن ہے، جو میرے پیچھے لگا ہوا ہے، جان کا گاہک بن چکا ہے، اُس نے مجھے زندہ درگور کر دیا ہے اے امیر! مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ میں اُس کا مقابلہ کر سکوں، یا اُسے شکست دے سکوں!"

عبداللہ نے دریافت کیا:

"آخر تمھارا دشمن کون ہے؟"

وہ بولا :

"فقر، تنگ دستی !"

عبداللہ نے اپنے غلام کی طرف دیکھا اور کہا :

"اسے ایک ہزار دینار دے دو !"

پھر اُس شخص سے کہا :-

"یا اخا العرب ! یہ رقم لو، ہم اب جاتے ہیں، لیکن اگر تمھارا دشمن پھر تم پر حملہ آور ہوا تو ہمارے پاس آنا، ہم انشاءاللہ تمھارے ساتھ انصاف کریں گے !"

(مجانی الادب)

---

(۱۸۲)

ابن حمران اور ابو الفضل

مستنصر باللہ کے عہد میں ابن حمران نے مصر پر حملہ کیا، اس نے بہت سے گھروں کو پھونک دیا، اور اُس کی فوج نے ظلم و جور کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔

لوگ اس جفا کاری سے تنگ آکر ابو الفضل جوہری کے پاس پہونچے۔ یہ بہت اچھے واعظ اور بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ان کی خدمت میں آکر لوگوں نے فریاد کی، اور اس ظلم و جور کو کسی طرح دُور کرنے کی استدعا کی۔

جوہری نے اس وقت خطاب کیا:

" اگر تو خالق ہے، تو اپنی مخلوق پر رحم کر، اگر تو مخلوق ہے، تو اپنے خالق سے ڈر!"

ظلم کا دَور فوراً ختم ہو گیا!

(۱۸۳)

لطیفہ!

مشہور ظالم اور سفاک گورنر، حجاج بن یوسف ایک مرتبہ اپنے لشکر سے بھٹک کر تنہا رہ گیا۔ اتنے میں اُسے ایک اعرابی نظر آیا،

حجاج نے پوچھا:

"یا اخا العرب، حجاج بن یوسف کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟"

اعرابی نے جواب دیا:

"پرلے درجہ کا ظالم اور سفاک!"

حجّاج نے کہا:

"پھر تم عبدالملک بن مروان سے اس کی شکایت کیوں نہیں کرتے؟"

وہ کہنے لگا:

"وہ کمبخت حجاج سے بھی زیادہ ستمگر ہے، دونوں پہ خدا کی

لعنت اور پھٹکار!"

اس گفتگو کے دوران میں حجاج کا لشکر آگیا، اعرابی سمجھ گیا، جس شخص سے اس آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ میں باتیں کر رہا تھا، یہی حجاج ہے، لیکن اپنے حواس بجا رکھے، اور حجاج سے کہا:

"اے امیر میرے اور آپ کے مابین جو راز کی باتیں ہوئی ہیں، ان کا علم سوا خدا کے کسی کو نہیں ہے!"

حجاج نے تبسّم کیا، اُسے انعام دیا، اور رخصت کر دیا۔!

---

(۱۰۴)

لطیفہ!

ایک اعرابی حجاج بن یوسف کے پاس آیا، اور باتیں کرنے لگا اتنے میں کھانے کا وقت ہوگیا، چنانچہ دسترخوان چنا گیا اور حاضرین آکر بیٹھ گئے، وہ اعرابی بھی کھانے کے لئے بیٹھ گیا۔

آخر میں حلوا لایا گیا، حجاج نے اعرابی سے منہ موڑ کر ایک لقمہ حلوے سے کھایا، پھر کہا:

"اس حلوے میں جس نے ہاتھ لگایا، اُس کی گردن اُڑا دونگا!"

چنانچہ جو لوگ دسترخوان پر بیٹھے تھے، اُنھوں نے اپنے ہاتھ روک لئے، اور حلوا کھانے کے ارادہ سے باز آگئے۔

اعرابی کی کیفیت سب سے جدا تھی، ایک طرف حلوہ کی کشش دوسری طرف حجاج کا ڈر، کبھی وہ حلوے کی طرف دیکھتا تھا، کبھی حجاج کی طرف، کبھی جی چاہتا تھا کھا جاؤں، یہی سوچتا تھا، اس جرأت رندانہ کی قیمت جان ہے!

آخر اعرابی نے حجاج سے کہا:-

"اے امیر میں اپنی اولاد کے لئے آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اُس سے اچھا برتاؤ کیجئے گا!"

یہ کہکر سارا حلوا ایک ہی دفعہ میں چٹ کر گیا!

حجاج ہنستے ہنستے لوٹ گیا!

---

(١٨٥)

عضدالدولہ کا انصاف

حج کے ارادہ سے ایک شخص بغداد میں وارد ہوا، اُس کے پاس ایک ہار تھا جس کی قیمت تخمیناً ایک ہزار دینار تھی، اس نے چاہا ہار فروخت کردے۔ لیکن اتفاق کہ کوئی خریدار نہیں ملا۔ آخر اُس نے امانت کے طور پر ایک تاجر کے پاس اسے رکھوا دیا۔ یہ تاجر اپنی دیانت اور امانت کے لحاظ سے بہت مشہور تھا، اور عام طور پر لوگ اُس کی عزت کرتے تھے

حج سے فارغ ہو کر وہ شخص بغداد واپس آیا، تاجر کے لئے مکّہ سے وہ ایک ہدیہ بھی لایا، تاجر کے پاس پہونچا اور اُسے سلام کیا۔

تاجر نے کہا:

"تم کون ہو؟"

اُس نے کہا:

"میں وہ شخص ہوں جس نے حج کے لئے جاتے وقت آپ کے

پاس اپنا ایک ہار امانتہً رکھوایا تھا!"

تاجر نے حیرت سے کہا:

"ہار! کیسا ہار؟ میرے پاس تو کوئی ہار نہیں!"

یہ کہہ کر اُس نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ وہ اُسے باہر نکال دیں۔

وہ شخص روتا دھوتا عضدالدولہ کے پاس پہونچا، وہ اس زمانہ میں وہاں کا امیر تھا، اُس نے اپنی ساری رام کہانی سُنائی۔

عضدالدولہ نے کہا:۔

"تم جاؤ، تاجر کے پاس جاکر بیٹھ جاؤ، جب میں اُدھر سے گذروں گا تو تمھیں سلام کروں گا۔ تم سلام کا جواب تو دے دینا، لیکن اپنی جگہ بیٹھے رہنا۔"

تھوڑی دیر کے بعد عضدالدولہ کی سواری اُس تاجر کے پاس سے گُذری، وہ حاجی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ عضدالدولہ نے حاجی سے کہا:

"السلام علیک!"

وہ بولا،

"علیک السلام!"

اور اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی

عضدالدولہ نے اس سے کہا:

"اے بھائی تم عراق سے یہاں آئے اور ہمارے پاس نہیں آئے؟"

وہ بولا:

"ہاں فرصت نہیں ملی، آجاؤں گا کسی وقت!"

عضدالدولہ کی سواری جب گزر گئی، تو تاجر کا بُرا حال دہشت کے باعث ہوا، اُس نے حاجی سے کہا:

"آپ کا ہار کیسا تھا؟"

حاجی نے اپنے ہار کا حلیہ بتایا'

یہ سُنتے ہی تاجر اُٹھا، اور ہار لاکر سامنے رکھدیا، اور کہا:

"معاف کیجیئے گا، میں بھول گیا تھا بالکل!"

حاجی، یہاں سے اُٹھکر سیدھا عضدالدولہ کے پاس گیا، اور اُسے سارا واقعہ بتایا، عضدالدولہ نے حکم دیا تاجر کو اُس کی دوکان کے سامنے سولی پر لٹکا دیا جائے، تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔

چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی!"

بُخل، ایثار اور احسان

بخل کی بدبختی

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"بخیل اور کنجوس سے زیادہ بدبخت میں نے کسی کو نہیں دیکھا وہ اپنی دنیا مال جمع کرنے میں صرف کر دیتا ہے، پھر بھی دنیا میں اسے غم و فکر کے سوا کچھ نہیں ملتا، اور آخرت میں گناہوں کا پشتارہ لاد کر اسے اٹھنا پڑتا ہے۔ وہ دنیا میں اپنے بخل کے باعث فقیروں کی سی زندگی بسر کرتا ہے، اور آخرت میں اس سے جب حساب لیا جائے گا، وہ اغنیا کے زمرہ کا حساب ہوگا۔

روایت ہے:

ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ، عبداللہ بن اہشم کی عیادت کے لئے گئے، دیکھا وہ بستر پر کروٹیں بدل رہا ہے۔ گھر کے کونے میں کچھ صندوق رکھے ہوئے تھے، انھیں حسرت سے دیکھ رہا ہے، پھر وہ حضرت کی طرف مخاطب ہوا اور کہا:

اے ابوسعید! اُن ایک ہزار دینار کے بارے میں تم کیا کہتے ہو، جو اِس صندوق میں رکھے ہوئے ہیں۔ جن کی نہ میں نے زکوٰۃ دی، نہ جن سے دوسروں پر احسان کیا۔

فرمایا:

"کم بخت، آخر تو نے کس کے لئے جمع کیا تھا؟"

کہنے لگا۔

"تاکہ زمانہ کی مصیبتوں سے بچا رہوں۔ حوادث کے وقوع سے محفوظ رہوں، بادشاہ کی جفا کاریوں کا شکار نہ بنوں!"

پھر وہ مرگیا، جنازہ میں حضرت نے بھی شرکت کی۔ جب کفن دفن سے فراغت ہوئی تو آپ نے قبر پر ہاتھ مارا۔ اور وُرثاء کو مُخاطب کرکے کہا:

"اِس مال کو حلال کرکے استعمال کرنا، تاکہ یہ تمہارے لئے وبال نہ بن جائے۔ اِس سے نیکی اور بھلائی کے کام کرنا، تاکہ اس کی برکت میں اضافہ ہو!

(۱۸۷)

ایثارِ علیؑ

ایک مرتبہ حضرت علی رضؓ کے گھر میں کڑا کے کا فاقہ گزرا۔ آپ نے ایک یہودی سے کچھ اُون لیا۔ تاکہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضؓ اُسے بُنیں۔ جب بُن چکیں تو اُس کا تین صاع گیہوں ملا۔

پہلے دن ایک صاع گیہوں لے کر سیّدہ نے پیسا، اور رُوٹیاں پکائیں جب آپ حضرت علی رضؓ اور بچّوں سمیت کھانے بیٹھیں، تو ایک مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا۔

"اے اہلِ بیتِ نبوّت! میں مسکین ہوں۔ اللہ کے نام پر مجھے کچھ کھلاؤ!"

چنانچہ وہ چند رُوٹیاں جو پکّی تھیں، اُسے دے دی گئیں۔

دوسرے دن پھر حضرت فاطمہ رضؓ نے ایک صاع گیہوں پیسے اور رُوٹی پکائی۔ جب کھانے کے لئے سب لوگ بیٹھے۔ تو پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، اور کہا:

"اے اہلِ بیتِ نبوّت! میں ایک یتیم ہوں۔ خدا کے نام پر مجھے کھلاؤ"

ساری رُوٹیاں اُسے دے دی گئیں۔ وہ دُعا دیتا چلا گیا۔

تیسرے دن پھر وُہی ماجرا گزرا۔حضرت فاطمہ رض جب آٹا گوندھ کر، رُوٹی پکا چکیں۔ اور سب کھانے بیٹھے۔ تو پھر کسی نے دَروازہ کھٹکھٹایا، اور کہا۔

"اے اہلِ بیتِ نبوّت! میں اسیر ہوں، بھوکا ہوں۔ خدا کے لئے مجھے کچھ کھلاؤ!"

پھر ساری رُوٹیاں اُسے دیدی گئیں۔

سب لوگوں نے پانی پی پی کر رات گزاری۔ لیکن حضرت حسن اور حضرت حسین علیہما السلام بھوک کی شدّت سے نڈھال ہونے لگے۔ چنانچہ حضرت علی رض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے پاس پہونچے، اور سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ آں حضرت ؐ نے اَزواجِ مطہرات سے دریافت فرمایا۔ لیکن سب کے ہاں سے یہی جواب ملا کہ برکت ہے۔ اِتنے میں حضرت ابوبکر رض تشریف لائے۔ وہ بھی بھُوک سے بے حال ہو رہے تھے۔ کسی نے کہا۔

"یارسول اللہ ؐ! مقداد بن اَسود کے پاس کھجوریں ہیں"

اس کے پاس آدمی بھیجا گیا۔ لیکن نہ ملیں۔

پھر آں حضرت ؐ نے حضرت علی رض سے کہا:۔

"یہ ٹوکری لو، اور اس کھجور کے درخت کے پاس جاؤ۔ اور اُس

سے کہو۔ محمدؐ نے کہا ہے۔ اپنی کھجوروں سے ہمیں شکم سیر کر دے۔ اللہ کے حکم سے کھجوریں گرنے لگیں۔ سب لوگوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھائیں باقی حضرت فاطمہ رضؓ کی خدمت میں بھیجدی گئیں کہ، وہ خود کھائیں اور بچوں کو کھلائیں۔ اس واقعہ پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

"ویطعمون الطعام علیٰ حبہٖ مسکیناً ویتیماً واسیراً ﴿﴾"

(نزہۃ المجالس)

(۱۸۸)

ایثار کی انتہا

حذیفہؓ عدوی روایت کرتے ہیں:

جنگِ یرموک بڑی شدید جنگ تھی۔ جو مسلمانوں کو کافروں سے لڑنی پڑی۔ میں اپنے ابنِ عم کو تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑا سا پانی میرے پاس تھا۔ میں نے سوچا، یہاں پانی کی کمی ہے۔ اگر وہ مل جائے، تو اُسے پلا دُوں۔

تھوڑی دیر کی تلاش و جستجو کے بعد میرا ابنِ عم زخمی حالت میں مل گیا۔ وہ پیاس سے بے حال ہو رہا تھا۔ میں نے پوچھا:

"پانی پیئو گے؟"

اُس نے اشارہ سے کہا:

"ہاں!"

میں نے پانی اُس کی طرف بڑھایا۔ اتنے میں آواز آئی:

"آہ، پانی!"

میرے ابنِ عم نے اشارہ سے کہا:-

"پانی اُسے پلادو!"

میں پانی لے کر اُس کی طرف بڑھا، یہ ہشّام بن عاصؓ تھے، اِتنے میں ایک گوشے سے آواز آئی، کوئی زخمی کراہ رہا تھا:

"آہ، پانی!"

ہشامؓ نے اِشارہ سے کہا:

"مجھے نہیں، اُسے!"

میں پانی لے کر تیسرے زخمی کے پاس پہونچا، جب پہونچا تو دیکھتا کیا ہوں وہ دَم توڑ چکا ہے، اَب میں پانی لے کر ہشام کے پاس پہونچا، اُن کی آنکھیں بھی بند ہو چکی تھیں، اَب میں جلدی سے اپنے ابنِ عم کی طرف لپکا، لیکن اُس کا کام بھی تمام ہو چکا تھا: رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ!"

---

(۱۸۹)

لرزہ خیز ایثار

ابو محمد الازدی نے ایثار و قربانی کا ایک ایسا واقعہ بیان کیا ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے، وہ کہتے ہیں:

مرو کی مسجد میں آگ لگ گئی، مسلمانوں کو شبہ ہوا۔ یہ حرکت عیسائیوں کی ہے اشتعال میں آکر انھوں نے عیسائیوں کے کلیسوں اور عبادت گاہوں میں آگ لگا دی، اور انھیں جلا ڈالا۔

سلطان کو یہ حرکت ناگوار گزری۔ اس نے ان لوگوں کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا، جنھوں نے عیسائیوں کی عبادت گاہوں میں آگ لگائی۔ اور انھیں جلایا تھا، مسلمانوں کی ایک جماعت اس سلسلہ میں گرفتار ہوئی، اور سلطان کے سامنے پیش کی گئی کہ، وہ اِن گنہگاروں کے لئے سزا تجویز کرے۔ سلطان نے چند پرچیوں پر یہ الفاظ لکھے:

(۱) کوڑے کی سزا۔
(۲) ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا۔
(۳) قتل کی سزا۔

اور یہ پرچیاں گرفتار شدگان پر پھینک دیں، جس کے حصہ میں جو پرچی آئی اُس کے لئے وُہی سزا نافذ کرنے کا حکم ہوا جو اُس میں لکھی تھی۔

قتل کی پرچی ایک شخص پر پڑی، اُس نے کہا۔

"خدا کی قسم میں قتل ہونے سے نہیں ڈرتا، لیکن رہ رہ کے مجھے اپنی ماں کا خیال آتا ہے، میرے بعد اس کا کوئی سہارا نہیں رہ جائے گا نہ کوئی بہن ہے نہ بھائی، نہ کوئی اور عزیز!"

پاس ہی ایک اور نوجوان موجود تھا، اُس پر جو پرچی پڑی تھی، اُس میں کوڑے کی سزا لکھی ہوئی تھی، اُس نے کہا:

"میری ماں کا انتقال ہو چکا ہے، تم ایسا کرو، اپنی پرچی مجھے دیدو، اور میری پرچی تم لے لو، میں قتل ہو جاؤں گا، تم کوڑے کی سزا بھگت لینا!"

اس نوجوان نے آخر کار اپنے رفیق کی پیش کش قبول کر لی۔ چنانچہ دونوں نے اپنی پرچیاں بدل لیں، اور وہ نوجوان قتل کر دیا گیا، اور یہ کوڑے کی سزا بھگت کر، اپنی ماں کے پاس پھر پہونچ گیا!

(الطرطوشی)

(۱۹۰)

حضرت عثمانؓ اور بیتِ رسولؐ

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں:

"ایک مرتبہ چار روز تک ہم بھوکے رہے، گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دریافت فرمایا۔

"عائشہ رضؓ! میرے بعد گھر میں کوئی کھانے پینے کی چیز آئی؟"

میں نے جواب دیا:

"نہیں!"

یہ سُن کر آپؐ نے وضو کیا، اور نماز پڑھنے کے لئے مسجد تشریف لے گئے، ایسا ماجرا اس دن کئی بار گزرا، دن جب ختم ہونے کے قریب ہوا، تو آں حضرت کی عدم موجودگی میں حضرت عثمان تشریف لائے، پوچھا:

"رسول اللہؐ کہاں ہیں؟"

میں نے بتا دیا، عثمان رضؓ چلے گئے، اور انھوں نے کچھ آٹا اور تھوڑی سی کھجوریں ہمارے لئے لائے، پھر اُنھوں نے کہا:

"اس طرح تو دیر ہوگی!"

چنانچہ وہ پھر چلے گئے اور بھنا ہوا گوشت اور کچھ پکّی ہوئی روٹیاں بھیجیں۔

تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت تشریف لائے، انھوں نے پھر وہی سوال کیا۔ میں نے عثمان رضؓ کی آمد کا سارا قصہ بیان کر دیا، یہ سُنکر آنحضرت پھر فوراً مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے، دونوں ہاتھ دکھائے اور کہا:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی رضیت عن عثمان فارض عنہ"

(اے خدا! میں عثمان رضؓ سے خوش ہوں، تو بھی اُس سے راضی ہوجا)

---

(۱۹۱)

امام حسن علیہ السّلام

حضرت امام حسن بن حضرت علی رضؓ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا۔
آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ فقر و فاقہ کی حالت میں بھی جس طرح بن پڑتا ہے سائل کا سوال پورا کرتے ہیں، رَدّ نہیں کرتے؟"

آپ نے جواب دیا،

"میں خود بھی تو درگاہِ خداوندی کا ایک سائل ہوں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میں سائل ہو کر، سائل کا سوال رَدّ کر دوں!"

(۱۹۲)

حاتم طائی کا امتحان

قیصرِ روم کے کانوں تک جب حاتم کے جود و سخا کی داستانیں پہونچیں۔ تو اُسے بڑی حیرت ہوئی، آخر اُس نے طے کیا کہ، حاتم کا امتحان لیا جائے، صلاح و مشورہ کے بعد اُس نے طے کیا کہ اپنے ایک حاجب کو حاتم کے پاس بھیجے۔

حاجب کو روانہ کرتے وقت قیصر نے کہا:

"حاتم ایک فلاں رنگ کے گھوڑے کو بہت عزیز اور محبوب رکھتا ہے، لہٰذا تم اُسے بطور ہدیہ کے اس سے مانگ لینا!"

حاجب جب دیارِ طے میں پہونچا۔ تو آسانی سے حاتم کے پاس پہُونچ گیا، حاتم نے ایک اجنبی کو اپنے ہاں بطور مہمان کے جو آتے دیکھا، تو بچھ بچھ گیا، بڑے تپاک اور اخلاق سے پیش آیا، اُسے قطعاً نہیں معلوم تھا یہ کون شخص ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور اُس کے آنے کی غرض و غایت کیا ہے؟ اس وقت حاتم کے مویشی چرنے چراگاہ میں گئے ہوئے تھے، اور سوا اُس گھوڑے کے، حاجب جس کا طلب گار ہو کر آیا تھا، کچھ

نہیں تھا، حاتم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً اپنے نئے مہمان کے لئے، وہ محبوب گھوڑا ذبح کردیا، پھر وہ اپنے مہمان سے باتوں میں لگ گیا، باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ یہ شخص قیصر روم کا حاجب ہے اور اس کے گھوڑے کا طلب گار ہوکر آیا ہے۔ یہ معلوم کرکے حاتم کو بہت تکلیف ہوئی، اس نے کہا،

"کاش آپ نے پہلے اپنے آنے کی غرض بتادی ہوتی، وہ تو میں آپ کی دعوت کے لئے ذبح کرچکا۔ کیونکہ میرے دوسرے مویشی اس وقت چراگاہ میں گئے ہوئے تھے!"

یہ سُن کر حاجب کو بڑی حیرت ہوئی، اُس نے کہا،

"آپ کو جیسا سُنا تھا اُس سے کہیں بڑھ کر پایا!"

اور اُسی وقت سے یہ مثل بن گئی "اکرم من حاتم الطائی"

---

(۱۹۳)

حاتم کا دشمن

ایک مال دار شخص حاتم سے بہت جلا کرتا تھا، اس کی دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ وہ حاتم کی سی محبوبیت نہیں حاصل کر پاتا تھا، وہ سخاوت کرتا تھا لیکن حاتم سے کم، اور چاہتا تھا کہ ناموری اور شہرت میں حاتم سے بڑھ جائے۔ جب اس مقصد میں وہ کامیاب نہیں ہوا، تو اُس نے سوچا، راستہ کے اس شہتیر کو کس طرح ہٹایا جائے۔ آخر ایک آدمی سے اُس نے طے کیا کہ اگر وہ حاتم کو قتل کر دے، تو بہت انعام ملیگا۔ وہ آدمی راضی ہو گیا، کیونکہ اُسے روپیہ کی ضرورت تھی اس سے بحث نہیں تھی کہ حاتم کیوں مارا جائے، جو دولت مند شخص حاتم کو قتل کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا وہ بہت خوش تھا کہ حاتم کے ہلاک ہونے کے بعد اس کی ساری ناموری اور شہرت اُسی کے حصہ میں آئے گی۔

جس شخص سے معاملہ طے ہوا تھا، وہ حاتم کے قبیلہ میں پہونچا، سب سے پہلے جس شخص سے ملاقات ہوئی وہ حاتم تھا۔ لیکن اس شخص نے حاتم کو کبھی نہیں دیکھا تھا، نہ اُسے پتا تھا، حاتم سے

اُسے نووارد اور مسافر سمجھکر اپنا مہمان بنالیا، خوب ٹھاٹھ دار دعوت کی، پھر پوچھا:

"آپ کیوں تشریف لائے ؟"

اس نے ادھر اُدھر دیکھکر رازدارانہ لہجہ میں کہا:

"حاتم کو قتل کرنے آیا ہوں!"

حاتم نے پوچھا،

"کیوں ؟"

وہ بولا:

"اس لئے کہ فلاں آدمی حاتم کی شہرت سے جلتا ہے، اُس نے اُسے قتل کرڈالنے کی صورت میں مجھے بہت سی دولت دینے کا وعدہ کیا ہے!"

حاتم نے کہا:

"پھر تو ضرور اُسے قتل کیجئے!"

"وہ شخص تین دن تک حاتم کا مہمان رہا تھا، چوتھے روز اُس نے کہا:

"آخر حاتم ہے کہاں ؟"

حاتم نے کہا:

"ابھی بلاتا ہوں!"

"تھوڑی دیر کے بعد، حاتم ننگی تلوار لئے ہوئے اپنے مہمان کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس حالت میں حاتم کو دیکھکر وہ سہم گیا۔

حاتم نے اُسے دلاسا دیا، اور کہا:۔

"تم گھبراتے کیوں ہو، جس کام کے لئے تم آئے ہو اُسے انجام دینے کا وقت قریب آگیا، یہ لو تلوار!"

اُس آدمی نے تلوار لے لی، اور کہا:

"لیکن حاتم کہاں ہے؟"

حاتم نے کہا:

"تمہارے سامنے!"

یہ سُنتے ہی شدّتِ دہشت سے وہ شخص بیہوش ہو کر گر پڑا، حاتم نے اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں، بڑی دیر کے بعد وہ ہوش میں آیا، حاتم نے اُس سے کہا:۔

"تم بے تامل مجھے قتل کردو، اور اپنا انعام حاصل کرو!"

وہ بولا:

"مجھ پر لعنت ہو، اگر میں ایسا کروں، آپ جیسے شخص پر وار کرنا، اور آپ جیسے شخص کی جان لینا بہت بڑا پاپ ہے، خواہ اِس

کے مقابلہ میں کتنی ہی بے اندازہ دولت کیوں نہ ملے!"

اور پھر وہ واپس چلا گیا!

خود اعتمادی

عزّتِ نفس

اور

شجاعت

(۱۹۴)

ہمّتِ بلند!

کافور اخشیدی اور اُس کا ایک دوست، دونوں کے دونوں سیاہ فام تھے۔ اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اِن دونوں کو فروخت کرنے کے لیے ان کا آقا مصر آیا۔ تاکہ بازار میں انھیں بیچ دے اور اپنے دام کھرے کرے۔ کافور کے ساتھی نے یہ تمنّا کی کہ خدا کرے وہ کسی بھٹیارہ کے ہاتھ فروخت کیا جائے۔ تاکہ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھائے۔ اور جس چیز کی طرف طبیعت مائل ہو، وہ بھٹیارہ کی دوکان سے کھانے کو مل جائے۔ اور کافور غلامی میں بھی سلطانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اُس کی تمنّا تھی کہ وہ اس ملک کا فرمانروا بن جائے۔ جو حکم دے اُس کی تعمیل ہو۔ جس کام سے منع کرے اُس طرف لوگ رُخ نہ کریں۔ چنانچہ کافور کا ساتھی ایک بھٹیارہ کے یہاں فروخت کر دیا گیا، اور خود کافور مصر کے ایک فوجی افسر کے ہاتھوں بکا

زمانہ گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ کافور کے آقا کا انتقال ہو گیا۔ اُس نے اس طرح اپنے آقا کی خدمت کی تھی اور ایسی سوجھ بوجھ، اور جرأت د

ہمت کا ثبوت دیا تھا کہ آقا کی نظر میں اُس کی وقعت بڑھتی گئی، اور وہ برابر ترقی اور عروج کی طرف گام فرسا رہا۔ آقا کے انتقال کے بعد وہ اُس منصب پر فائز ہوگیا۔ اپنی ذکاوت اور دانش سے وہ رفتہ رفتہ سپہ سالارِ افواج ہوگیا۔ اُس کی بات سُن کر لوگ لرز جاتے تھے۔ یہ عالم تھا اُس کے دبدبہ اور طنطنہ کا۔ اُس کی ترقی اور عروج کا سلسلہ برابر جاری رہا، یہاں تک کہ وہ نہ صرف مصر، بلکہ شام اور حرمین کا فرماں روا بن گیا۔

ایک روز کافور کا گزر ایک بھٹیارہ کی دوکان پر ہوا، وہاں اُس کا پُرانا ساتھی بُرے حالوں زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ کافور نے کہا: "اس کی ہمت نے ساتھ چھوڑ دیا، اور یہ بدبختی کی منزل پر پہونچ گیا۔ میری ہمت میرے ساتھ رہی، اور میں جہاں ہوں ایک دنیا جانتی ہے!"

(۱۹۵)

اعتمادِ نفس!

عرب کی تاریخ اس حقیقت کے امثال و شواہد سے بھری ہوئی ہے کہ غربت، کم مائیگی، اور افلاس کے عالم میں لوگوں نے زندگی کا آغاز کیا، لیکن بہت جلد وہ عروج و ارتقا کی اس منزل پر پہونچ گئے کہ خلقت نے انھیں عقیدت کے کاندھوں پر بٹھایا۔ دنیا نے اُن کی بڑائی کے آگے سرِ تسلیم خم کیا، اور انھوں نے اپنی عظمت کا پرچم اس طرح لہرایا کہ دشمن اور مخالف بھی ماننے اور تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ذیل میں عرب کے چند اکابر کا ذکر کیا جاتا ہے جنھوں نے فقر سے زندگی شروع کی، اور انتہائی بلندی پر پہونچ گئے۔

(۱) متنبّی!

ابو الطیب متنبّی، مشہور اور یگانۂ روزگار عرب شاعر، اس کا باپ بہشتی تھا، لیکن یہ اپنی ذہانت اور جودت کے بل پر شاعر بنا، اور اُس کی فلسفہ طرازی حکمت آفرینی، اور فصاحت و بلاغت کے آگے دُنیا کے

بڑے بڑے صاحبانِ علم و فضل سر جھکانے پر مجبور ہو گئے۔

(۲) جریر!

یہ بھی بڑے پایہ کا شاعر تھا، اس کے کلام کی دل نشینی اور خوبی نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا، یہ وقت کا بہت بڑا شاعر مانا گیا ہے، اس کا باپ ایک گداگر تھا، لیکن اس نے سیم و زر کے بجائے علم و فضل کی دریوزہ گری اختیار کی، اور ادب کے ایسے درجہ پر پہونچ گیا جہاں تک پہونچنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں۔

(۳) ابو تمام!

ابو تمام حبیب الطائی بہت بڑا شاعر تھا۔ مصر میں پروان چڑھا۔ زندگی کا آغاز اس طرح ہوا کہ مصر کی جامع عمرو بن عاص میں یہ لوگوں کو پانی پلایا کرتا تھا۔

لیکن طبیعت شروع ہی سے شعر کی طرف مائل تھی، شعر کہنے لگا اور آخر کار اکابر شعراء میں اس کا شمار ہونے لگا۔ الفاظ کی دروبست، شعر کی صناعت، اور حسنِ اسلوب کا بادشاہ مانا گیا ہے۔ اس کی کتاب "الحماسہ" بہت مشہور ہے، اور اب تک مدارسِ عربیہ کے نصاب میں شامل ہے۔

(۴) ابوبکر رازی !

مشہور اور یگانۂ آفاق طبیب۔ بچپن کا آغاز اس طرح ہوا کہ عود بجا کر روزی کماتے تھے۔ پھر کتب طب اور فلسفہ کا شوق ہوا، مطالعہ کیا، پڑھا محنت سے علم حاصل کیا۔ بڑے بڑے اساتذہ کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا، اور جو علم جہاں سے ملا، وہ حاصل کرکے دم لیا۔ یہاں تک کہ اپنے وقت کے امامِ فن مانے جانے لگے۔ طب میں ایسی ترقی کی کہ مریض کے لئے ان کا ہاتھ پنجۂ عیسیٰ بن گیا۔ فنِ طب میں متعدد بلند پایہ اور نادرۂ روزگار کتابیں تصنیف و تالیف کیں جن سے شائقینِ فن ابتک فیض حاصل کرتے اور دنیا کو فائدہ پہونچاتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں "الحادی" اور "الجامع" بہت مشہور ہیں۔

(۵) یاقوت الحموی

مشہور زمانہ مؤرخ۔ اس کی کتاب "معجم البلدان" کتب حوالہ میں شمار کی جاتی ہے، اور پایۂ استناد کو پہونچی ہوئی ہے، مؤرخین وقت ہمیشہ سے اس کتاب کی افادیت، معنویت، اور استناد کے قائل ہیں اور اپنی تاریخی کتب میں برابر اس کا حوالہ دیتے رہے ہیں۔

یاقوت کی ابتدائی زندگی کا آغاز غلامی سے ہوا۔ ایک تاجر نے جو بغداد کا رہنے والا تھا یاقوت کو سستے داموں خرید لیا، تاجر کا نام ابراہیم الحموی تھا، اسے کیا معلوم تھا جسے وہ خرید رہا ہے وہ کیا ہے؟ اور آگے چل کر کیا بننے والا ہے؟ جب سن رشد کو پہونچا تو اپنے آقا کے ساتھ سفر و سیاحت میں وقت صرف کرنے لگا۔ چنانچہ مذکورہ کتاب دراصل انہی نقوش کا نتیجہ ہے، جو غلامی کے زمانہ میں آنکھوں کے راستے دل پر ثبت ہوئے۔ جغرافیہ کے فن میں یاقوت کی کتاب "معجم البلدان" کا کوئی جواب نہیں۔

(۶) المعزلدین اللہ!

فاطمی خاندان کا پہلا خلیفہ، مصر کے موجودہ پایۂ تخت "قاہرہ" کی بنیاد اسی کی ڈالی ہوئی ہے۔ جب یہ مصر میں داخل ہوا، تو ایک بہت بڑے عالم ابن طبا طبا نے معز سے پوچھا:

"امیرالمومنین آپ کا حسب نسب کیا ہے؟"

معز نے جواب دیا:۔

جلد ہی میں دربار منعقد کروں گا، وہاں اپنا حسب نسب آپ سب کے سامنے بیان کروں گا!!

جب معز کے امورِ مملکت پایۂ تکمیل کو پہونچ گئے، تو اُس نے اپنے محل میں لوگوں کو بُلایا، سامنے میان رکھی تھی، جس میں تلوار موجود تھی معز نے میان سے تلوار نکالی، اُسے اُوپر اُٹھایا، اور کہا:

"یہ میرا نسب ہے!"

پھر اُس نے اشرفیاں لٹائیں، اور کہا:

"یہ میرا حسب ہے!"

اس کے بعد کس میں یارا تھا کہ وہ تابِ گفتگو رکھتا، سب کی گردنیں جھک گئیں!

---

(۱۹)

صلاح الدین ایوّبی

سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب مسلم تاریخ کا بہت بڑا فرمانروا جس کی عظمت و جلالت، ہمت و تہوّر، اور شجاعت و بسالت کے افسانے زبان زدِ خاص و عام ہیں، اُس کی ولادت ۵۳۲ھ میں ہوئی، باپ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی، پھر سن رشد کو پہونچنے کے بعد، نورالدین محمود بن زنگی فرماں روائے ملکِ شام کی خدمت میں مامور ہوا، وہاں رہ کر اُمور سیاست اور مہماتِ ملکی میں دسترس حاصل کی، اور رفتہ رفتہ عروج اور ہر دلعزیزی کے ایسے مرتبہ پر پہونچ گیا، جہاں تک پہونچنا ہر کہ و مہ کے لئے آسان نہیں۔

پھر زنگی نے، اس کی وفاداری، حسنِ خدمت اور جوشِ کار کو ملحوظ رکھکر مصر بھیج دیا تاکہ وہاں کے گورنر کی مدد کرے، اور اُس کے ساتھ مل کر ملکی و ملّی خدمت انجام دے۔

۵۶۷ھ میں عاضد الدین اللہ گورنر مصر کا انتقال ہوگیا۔ اس منصب پر صلاح الدین کو مامور کیا گیا۔ گورنروں کے فرائض و واجبات

اس خوبی سے انجام دیئے، اور ایسی شہرت اور محبوبیت حاصل کرلی کہ رفتہ رفتہ بلادِ شام و عراق اور یمن پر اس کا پرچم لہرانے لگا۔

ارضِ مقدس، فلسطین اور بیت المقدس پر جب پورے اتحاد و اتفاق اور ہم آہنگی کے ساتھ عیسائی ممالک فرانس، انگلستان وغیرہ کے فرماں رواؤں نے اپنی افواجِ قاہرہ کو لے کر حملہ اور تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کیا۔ تو صلاح الدین نے پورے استقلال ارو شجاعت کے ساتھ عیسائی دنیا کے اس مجموعی اور متحدہ حملہ کا مقابلہ کیا اور کامیاب رہا۔

ایک روز صلاح الدین نے انگلستان کے بادشاہ کو جسے اس کی بہادری کے باعث "شیر دل" کہتے تھے، پیادہ پا اپنے سے لڑتے ہوے دیکھا، تو اُس نے انگلستان کے بادشاہ کو خاص اپنی سواری کا گھوڑا دیا اور کہا:

"میری نظر میں تمہارا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ میں تمھیں پا پیادہ لڑتے دیکھوں!"

۵۷۹ھ میں صلاح الدین کی دمشق میں وفات ہوئی۔

صلاح الدین کے مآثر میں (مصر کے اندر) ایک مدرسہ ہے جو امام شافعی کے مرقد کے پاس اس نے تعمیر کرایا تھا، ایک اور مدرسہ اُس نے

مشہدِ حسینی کے جوار میں بھی بنا دیا تھا۔ قدس اور مصر میں بھی مالکیہ کے لئے اس نے مدرسے تعمیر کرائے اور بہت بڑی جاگیر ان کے لئے وقف کی، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اُس نے کوئی چیز اپنے نام سے منسوب نہیں کی، سوا دمشق کے مدرسۂ "صلاحیہ" کے۔ اسلام کی تاریخ اس کے نام اور اس کے کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی!۔

(۱۹۸)

تیمور لنگ!

تیمور لنگ کا شمار، بڑے باہمت اور حوصلہ مند لوگوں میں ہوتا ہے، اس کے بارے میں روایت ہے کہ ماں کے پیٹ سے اس حالت میں پیدا ہوا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں خون بھرا ہوا تھا بچپن ہی سے بڑی منچلی، عادتوں کا مالک تھا، سرکش، اور تند مزاج گھوڑوں کو بھگاتا، اور پسینہ پسینہ کر دیتا، اور آخر کار انھیں رام کر کے رہتا وحشی جانوروں اور درندوں کا شکار بڑے شوق سے کرتا، اس کام سے اتنی دلچسپی تھی کہ وقت کا بڑا حصہ اسی میں صرف ہو جاتا، بارہ برس کی عمر سے لڑائیوں اور جنگلوں میں شرکت کرنے لگا۔ ان لڑائیوں میں اُس نے ایسے کرشمے اپنی بہادری اور شجاعت کے دکھائے کہ لوگ اس کا ادب و احترام کرنے لگے۔ اس کی دہشت بیٹھ گئی، اور لوگ اس سے خائف رہنے لگے۔ اپنے قبیلہ میں بہت جلد یہ سب سے زیادہ ہیبت ناک آدمی بن گیا۔

باپ کے مرنے کے بعد قبیلہ کا سردار بھی بن گیا، اس کی سرگرمیوں کا

رخ بہت جلد فتوحات کی طرف ہو گیا، اور اُس نے مختصر سے عرصہ میں سخت و شدید معرکوں کے بعد، خوارزم، خراسان، فارس، جنوبی روس، بلاد ہند، اور شام کے بہت سے علاقے فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیے۔ بغداد پر کئی مرتبہ اُس نے قبضہ کیا اور جب حملہ کیا اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ایک مرتبہ ترکوں سے بھی اُس کی چھڑ گئی خود سلطان بایزید کے لشکر سے اُس کا مقابلہ ہوا، اُس نے ترکوں کو شکست دی، اور سلطان کو اسیر کر لیا۔

اِن فتوحات سے فارغ ہو کر تیمور لنگ اپنے پایۂ تخت سمرقند میں سات سال کی طویل مدت کے بعد پہونچا، اور اب اُس نے داخلی امور کی طرف زیادہ توجہ کی، مدرسے بنائے، بڑی بڑی تعلیم گاہیں قائم کیں، شفا خانوں کی بنا ڈالی، عدل و انصاف کے ساتھ حکومت اور فرماں روائی کرنے لگا۔ فتحمندی کی ہوس نے اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا تھا، ہر وقت ایک ہی دُھن میں مست اور محو رہتا تھا، یہ کہ اب کس علاقے کو زیر نگیں کرے؟ اس کی دلی تمنا یہ تھی کہ ساری دنیا کا بادشاہ بن جائے۔ اسی لیے اُس نے اپنا لقب "صاحبقراں" یعنی بادشاہ عالم مقرر کیا تھا۔

تیمور کہا کرتا تھا "جس طرح اس دنیا کا صرف ایک خدا ہے،

اسی طرح، اس دنیا کا صرف ایک بادشاہ ہونا چاہیئے۔" اس کے پروگرام میں چین اور جاپان کی فتح بھی شامل تھی، لیکن موت نے مہلت نہ دی، راستہ ہی میں وفات پاگیا اور ساری آرزوئیں اور تمنائیں دھری کی دھری رہ گئیں!

---

(۱۹۹)

ابو جعفر منصور

ابو جعفر منصور کے حاجب ربیع کا بیان ہے:
"خلیفہ جعفر کو اطلاع ملی کہ ایک شخص کے پاس بنو اُمیّہ کے ودائع اور اموال محفوظ ہیں، اور وہ چُپ چاپ انھیں احتیاط کے ساتھ رکھے ہوئے ہے!"

خلیفہ نے مجھ سے کہا،

"اُسے میرے سامنے حاضر کرو!"

مَیں اُسے لے کر خلیفہ کے حضور میں پہونچا، منصور نے کہا:-
"ہمیں معلوم ہوا ہے تمہارے پاس بنو اُمیّہ کے ودائع اور اموال ہیں؟ اگر یہ سچ ہے تو ہمارے سامنے انھیں پیش کرو!"

وہ بولا،

اے امیر المؤمنین کیا آپ ان کے وارث ہیں؟"

منصور نے کہا:

"نہیں"

وہ کہنے لگا :۔

" بنو اُمیہ کے وہ لوگ جن کی امانتیں میرے پاس رکھی ہیں، کیا آپ کے لئے وصیّت کر گئے تھے ؟"

منصور نے کہا :۔

"ایسا بھی نہیں ہوا "

وہ بولا :

" پھر آپ مجھ سے کیوں طلب کرتے ہیں ؟"

منصور کچھ دیر سر جُھکائے رہا، پھر اُس نے سر اُٹھایا" اور جواب دیا :

"بنو اُمّیہ ظالم تھے، یہ دولت وثروت اُنھوں نے ظلم کر کے حاصل کی۔ میں مسلمانوں کا وکیل ہوں، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ یہ مال لے کر بیت المال میں داخل کردوں!"

وہ بولا :۔

" یا امیر المؤمنین، سب سے پہلے تو اُس کا ثبوت دیجئے کہ میرے پاس بنو اُمّیہ کا جو مال ہے، وہ غصب اور ظلم سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس میں خیانت کو دخل ہے، وہ مسلمانوں سے زبردستی حاصل کیا گیا ہے۔ آخر بنی اُمیہ کے پاس مسلمانوں کے مال کے علاوہ خود اُن کا

ذاتی مال بھی تو تھا کچھ!"

منصور نے پھر سر جھکا لیا، پھر اُس نے سر اُٹھایا، اور میری طرف مخاطب ہو کر کہا:

"اے ربیع اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

پھر منصور اس آدمی کی طرف ملتفت ہوا، اور متبسّم ہو کر کہنے لگا:

"کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ، میں پوری کر دوں؟"

کہنے لگا:

"جی، ایک ضرورت ہے، آپ سرکاری ڈاک کے ذریعہ میرا ایک خط شام میں میرے متعلقین کو پہونچا دیں، تاکہ وہ مطمئن ہو جائیں، میری طرف سے، اس کی تکمیل کے بعد، دوسری بات عرض کر دوں گا!"

منصور نے کہا،

"دوسری بھی کہہ دو!"

وہ بولا:

"میں آپ کے کرم کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اس شخص کو میرے سامنے بلایئے جس نے میری چغلی آپ سے کھائی ————

خدا کی قسم، میرے پاس بنی اُمیّہ کی کوئی چیز نہیں ہے، نہ دولت نہ امانت نہ مجھے یہ علم ہے کہ ایسی چیزیں کسی دوسرے شخص کے پاس ہیں۔

میں نے آپ سے اس بارے میں ابھی جو گفتگو کی، وہ محض اخلاص کے
جذبے سے کی۔ کہ آپ سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو ناروا ہو!"

پھر امیرالمؤمنین منصور میری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا:

"اس شخص کو اس کے سامنے لاؤ، جس نے اس کی یہ چغلی مجھ سے کی تھی!"

ربیع کا کہنا ہے:

"میں نے اس شخص کو لاکر سامنے کھڑا کر دیا، جب اُس نے
چغلی خور کو دیکھا تو کہا:

"یہ میرا غلام ہے، جو میرے تین ہزار دینار لے کر بھاگ کھڑا ہوا تھا!"

منصور نے جب یہ سُنا تو غلام پر سختی کی اور کہا:

"سچ سچ بتا کیا معاملہ ہے؟"

غلام نے آخر اقرار کر لیا کہ واقعی وہ تین ہزار دینار لے کر اپنے
آقا کے ہاں سے بھاگ کھڑا ہوا تھا،

منصور نے غلام کے آقا سے کہا:

"اب تم اسے معاف کر دو!"

وہ بولا:

"یا امیرالمؤمنین، میں نے اس کا جرم معاف کیا، اس کی خطا
بخش دی، اپنے مطالبہ سے دست بردار ہو گیا، اور مزید تین ہزار دینار اسے

دیتا ہوں!"

منصور نے کہا:

"یہ کرم مزید کیوں؟"

وہ بولا:

"آپ کی سفارش کے صدقہ میں!"

یہ کہا اور چلا گیا!

اس کے بعد منصور جب بھی اس واقعہ کو یاد کرتا تھا، کہتا تھا:

"ربیع، اس آدمی کا سا کوئی آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا!"

"ربیع کا بیان ہے کہ منصور کے سامنے اس جرأت اور ہمت کے ساتھ اِس شخص کے علاوہ کسی اور کو میں نے کبھی بات کرتے نہیں دیکھا!

(۲۰۰)

موت کے دروازہ پر!

احمد بن ابی داؤد قاضی روایت کرتے ہیں کہ:-

میں نے موت کے مقابلہ میں تمیم بن جمیل خارجی سے بڑھکر کسی کو نڈر اور جری نہیں پایا، اس شخص نے معتصم باللہ کے خلاف خروج کیا، پکڑا گیا۔ اسیر کر کے خلیفہ کے سامنے لایا گیا، یہ دربار عام کا دن تھا۔ معتصم مسندِ خلافت پر متمکن تھا، دربار میں عوام اور خواص سب حاضر تھے۔

معتصم نے حکم دیا:-

"تلوار اور نطع[1] لایا جائے"

فوراً حکم کی تعمیل ہوئی،

معتصم نے کہا:-

"اسے نطع پر بٹھا دو، اور اس کی گردن ماردو"!

---

[1] چمڑے کا وہ ٹکڑا جس پر قتل کرتے وقت آدمی کو بٹھاتے تھے تاکہ اُس کا خون زمین پر نہ گرے۔

معتصم نے دیکھا وہ قتل ہونے کے لئے نہایت بے پروائی اور پندار کے ساتھ نطع کی طرف جا رہا ہے، موت کی طرف قدم بڑھا رہے تھے، لیکن نہ چہرے پر ہراس کا اثر تھا نہ دہشت کا. وہ اس طرح خراماں خراماں چل رہا تھا جیسے کوئی گلگشت کو نکلتا ہو۔

معتصم کو تمیم کی اس ادا نے اپنی طرف متوجہ کر لیا، پھر اس نے اس سے باتیں چھیڑ دیں، تاکہ اُس کی عقل اور فصاحت و بلاغت کا بھی کسی حد تک اندازہ کر سکے۔ چنانچہ اُس نے پوچھا:-

"تمیم اگر کوئی عذر اپنی برأت کے لئے پیش کر سکتے ہو، تو پیش کرو، ہم سنیں گے، اور اگر معقول پائیں گے تو تمھیں بری بھی کر دیں گے!"

تمیم نے جواب میں یہ شعر پڑھے:

"تلوار اور نطفے کے مابین، میں موت کو دیکھ رہا ہوں، وہ مجھے گھور رہی ہے، لیکن میں اُس کی پروا نہیں کرتا۔"

میں جانتا ہوں آج میرے قتل کا دن ہے اور تو مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے، لیکن اللہ جو فیصلہ کر چکا ہے، بندہ اس میں دخل نہیں پا سکتا۔"

"کون شخص ہے جو ایسے موقع پر دلیل اور حجت پیش کرے۔ جب موت کی تلوار اُس کی آنکھوں کے سامنے چمک رہی ہو؟"

"میں موت سے ذرا بھی نہیں ڈرتا، اس لئے میں جانتا ہوں، وقت سے پہلے موت نہیں آسکتی !"

خلیفہ معتصم یہ سُن کر رونے لگا، اور اُس کے منھ سے بے ساختہ نکل گیا:-

"اِنّ من البیان لسحرا"

پھر اُس نے تمیم کو معاف کر دیا۔ اور پچاس ہزار درہم انعام کے دیئے !

(۲۰۱)

ہارون رشید کا طبیب!

خلیفہ ہارون رشید کا ذاتی طبیب ایک عیسائی تھا، ایک مرتبہ خلیفہ کے سامنے طبیب بیٹھا تھا، اور باتیں ہو رہی تھیں، اتفاق سے علی بن حسین بن واقد بھی موجود تھے۔

طبیب نے علی سے کہا:

"علم کی دو قسمیں ہیں، علم الابدان، اور علم الادیان، یعنی جسم کا علم، اور مذہب کا علم، لیکن آپ کی کتاب (قرآن) میں علم طب کا کچھ بھی ذکر فکر نہیں ہے۔ یہ کیا بات ہے؟"

علی نے جواب دیا:

"اللہ میاں نے ساری طب کو آدھی آیت میں جمع کر دیا ہے!"

طبیب نے پوچھا:

"وہ کیا، ہمیں بھی سنائیے!"

علی نے کہا:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

"کلوا واشربوا ولا تسرفوا" یعنی کھانے پینے میں اعتدال سے کام لو۔"

طبیب نے کہا:۔

"طب کے بارے میں آپ کے رسول سے بھی کچھ مروی ہے؟"

علی نے کہا:

"کیوں نہیں، بہت سادہ الفاظ میں، بہت بڑی بات!"

طبیب نے دریافت کیا:

"وہ بھی فرما دیجئے!"

علی نے کہا:

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: المعدة بیت الداء والحمیة راس کل دواء والحط کل بدن ماعودته!"

یہ سُن کر نصرانی طبیب نے کہا:

"تمہارے نبی نے اور تمہاری کتاب (قرآن) نے بیچارے جالینوس کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا، ساری طب ان چند الفاظ کے اندر آگئی ہے درحق یہ ہے کہ اس سے زیادہ کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا!"

ادب

ضبطِ نفس

عفو و عدل

صدق و امانت

ادب

ضبطِ نفس

عفو و عدل

صدق و امانت

(۲۰۲)

باپ اور بیٹا

ایک آدمی آنحضرتؐ کی خدمت میں شکایت کناں حاضر ہوا۔
"یارسول اللہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا"
آنحضرت نے فرمایا :-
اپنے باپ کو لے کر آ،
تھوڑی دیر کے بعد، وہ نوجوان ایک بوڑھے کے ساتھ خدمتِ
نبوی میں حاضر ہوا- آپ نے فرمایا :-
"تمہارا بیٹا تمہاری شکایت کیوں کرتا ہے ؟ کیا تم
اس کا مال لینا چاہتے ہو ؟"
باپ نے جواب میں یہ شعر پڑھے ،
"میں نے تجھے کھلایا، پلایا، پروان چڑھایا، تجھ سے محبت
کی، تجھ پر پروانہ وار جان چھڑکتا رہا۔
رات کو اگر تیری طبیعت خراب ہوتی ، تو راتوں کو خود جاگا
اور تجھے تکلیف نہ ہونے دی۔"

اور میرا اُستاد میری اس زندگی کا سبب ہے جو باقی رہے گی، فنا نہ ہوگی!"

(۳۰۴)

واثق باللہ کا ادب

عباسی خلفا نے جس شان اور آن بان کے ساتھ حکومت کی، اس کی دلچسپ اور طویل داستانیں تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہیں۔ عباسی خلفا کی منجملہ اور خصوصیتوں کے ایک بہت بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ علم کے قدر دان تھے، علماء کا احترام کرتے تھے، اور اپنے استادوں کی عظمت اور بندگی، ادب و اجلال میں تو وہ بہت زیادہ آگے تھے۔ اس خاندان میں کوئی خلیفہ ایسا نہیں ملے گا۔ جو اس خصوصیت کا حامل نہ ہو۔

ایک مرتبہ خلیفہ واثق باللہ مسند خلافت پر متمکن تھا کہ اس کا معلم، محمد بن زیاد آیا، خلیفہ نے بہت زیادہ اس کی عزت اور تکریم کی۔

یہ دیکھکر ایک شخص نے اُس سے پوچھا:

"اے امیرالمومنین! یہ کون شخص ہے جس کا آپ اس درجہ احترام فرماتے ہیں؟"

واثق نے جواب دیا،

"یہ وہ شخص ہے، جس نے خدا کی معرفت مجھ پر منکشف کی، مجھے علم دیا، اور مجھے خدا کی رحمت سے قریب کر دیا۔!"

---

(۲۰۵)

حضرت عمرؓ کی بہو!

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے، کہ آپ نے ایک بڑھیا کو دودھ دوہتے ہوئے دیکھا آپ ذرا کے ذرا ٹھہر گئے، آپ نے بڑھیا سے کہا:

"دیکھو بڑی بی! مسلمانوں کو دھوکہ نہ دینا، اپنے دودھ میں پانی نہ ملانا!"

بڑھیا نے جواب دیا:

"امیرالمومنین کا حکم سر آنکھوں پر!"

کچھ روز کے بعد حضرت عمر کا پھر اُدھر سے گزر ہوا، آپ نے بُڑھیا سے کہا:

"کیا میں نے تجھ سے عہد نہیں لیا تھا کہ تو دودھ میں پانی نہیں ملایا کرے گی؟"

بڑھیا نے جواب دیا

خدا کی قسم اے امیرالمؤمنین، اُس روز سے میں نے پانی نہیں ملایا"

اتنے میں خیمہ کے اندر سے بڑھیا کی لڑکی نے ذرا زور سے کہا :

" امّاں جھوٹی قسم نہ کھاؤ ، تم نے عہد شکنی کی ، تم نے پانی ملایا ! "

حضرت کے کان میں لڑکی کے یہ الفاظ پڑے تو انھیں لڑکی کی صداقت اور جرأت پر بڑی حیرت اور مسرت ہوئی ۔ آپ نے اپنے صاحبزادوں سے کہا :

" تم میں سے کون اُس سے شادی کرنے پر تیار ہے ؟ ممکن ہے خدا اس کے بطن سے کوئی ایسی ہی سعید اور صادق ہستی پیدا کرے ؟ "

آپ کے صاحبزادے عاصم نے کہا :

" اے امیرالمؤمنین ، میں اِس لڑکی سے شادی کرنے پر تیار ہوں ۔ "

چنانچہ بڑھیا کی لڑکی سے حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عاصم کی شادی ہوگئی ۔ اس لڑکی کے بطن سے اُم عاصم پیدا ہوئیں جن سے عبدالعزیز بن مروان کی شادی ہوئی ، اور اُم عاصم کے بطن سے تاریخ کی وہ مشہور اور غیر فانی ہستی پیدا ہوئی جس کا

نام حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز ہے۔ جن کے دورِ خلافت کے بارے میں مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ وہ خلافت راشدہ کے دورِ ہمایوں کا پرتو تھا۔!

(نہایۃ الارب)

(۲۰۶)

حضرت علیؓ کی امانت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں جہاں اور خصائص اور کمالات تھے، وہاں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آپ غایت درجہ امین تھے۔ مسلمانوں کے مال کی رکھوالی اس طرح کرتے تھے جس طرح کوئی اپنے مال کی کرتا ہے۔ اسی امانت داری کے جذبہ کے ماتحت آپ نے اپنے بھائی تک کو مخالف بنالیا لیکن اپنی امانت اور دیانت پر حرف آنا کسی طرح بھی گوارا نہیں کیا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے بھائی عقیل نے، جو مالی دشواریوں میں گرفتار تھے، آپ سے سوال کیا کہ بیت المال میں سے کچھ رقم دے دی جائے، لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:

"مسلمانوں کے بیت المال میں سے کسی غیر مستحق کو میں کچھ نہیں دے سکتا۔ چند روز انتظار کرو، میرا مال

آنے والا ہے، وہ آجائے تو میں تمھیں دے دوں گا!"

لیکن عقیل انتظار نہ کر سکے، وہ معاویہ کی جماعت میں شریک ہو گئے!"

---

(۲۰۷)

ابوہریرہ اور بحرین کی آمدنی

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، میں بحرین سے بہت سا مال و زر لے کر حضرت عمر کے پاس حاضر ہوا۔ عشا کی نماز میں نے آپ ہی کے ساتھ پڑھی۔ نماز کے بعد آپ نے دریافت کیا:

"کیا لے کر آئے؟"

میں نے جواب دیا:

"پانچ لاکھ"

حضرت نے فرمایا:-

"کچھ معلوم بھی ہے، کیا کہہ رہے ہو؟"

میں نے عرض کیا:

"پانچ لاکھ کہہ رہا ہوں!"

فرمایا:

"اپنے گھر واپس جاؤ، گنو، اور کل میرے پاس آؤ!"

دوسرے روز جب میں حاضر ہوا تو پھر پوچھا:

"کیا لے کر آئے ہو؟"

مَیں نے وہی جواب دیا، جو کل دے چکا تھا، آپ نے فرمایا:-

"پھر سوچ لو، کیا کہہ رہے ہو؟"

میں نے کہا:

"ایک لاکھ ایک لاکھ——— یہاں تک کہ میں نے پانچ لاکھ تک کی گنتی پوری کرلی۔"

حضرت میری امانت اور دیانت سے بہت خوش ہوئے اور ساری رقم مستحقین کے مابین تقسیم کردی۔!

قاضی ابو حازم کا عدل

ابوالحسن عبدالواحد الحصیبی بیان کرتے ہیں:-
میں قاضی ابو حازم کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضر ہوا
اتنے میں امیرالمومنین خلیفۃ المسلمین المعتضد باللہ کے پاس
سے ظریف المخلدی آیا، اور گویا ہوا:
"آپ سے امیرالمؤمنین نے فرمایا ہے، فلاں شخص میرا
دین دار ہے، ہمیں معلوم ہوا ہے، اُس کے قرض خواہوں نے
آپ کے ہاں اس کا افلاس ثابت کردیا ہے، آپ نے
ان لوگوں کے مابین اس کا مال بانٹ دیا ہے۔ لہٰذا اُنہی کی
طرح اس کے مال میں میرا بھی ایک حصّہ رکھد یجیے!"

ابو حازم نے جواب دیا:
"جاکر خلیفہ سے کہہ دینا، خدا آپ کو عمرِ طویل عطا فرمائے،
خلیفہ کو یاد دلا دینا کہ جب اُس نے مجھے منصب قضا سونپا تھا
تو کہا تھا، اپنی گردن کا بوجھ تمہاری گردن پر ڈالتا ہوں،

لہٰذا انھیں اس پر قائم رہنا چاہیئے ۔ اور معلوم ہونا چاہیئے کہ میں بغیر دلیل اور ثبوت کے کوئی حکم نہیں دے سکتا ۔!"

ظریف واپس چلا گیا ، اور جو کچھ اُس نے قاضی سے سنا تھا ، خلیفہ کو کہہ سنایا ۔

خلیفہ نے کہا :

"قاضی صاحب سے جا کر کہہ دو ، فلاں فلاں دو شخص میرے گواہ ہیں ۔ ان کا شمار اعیانِ دولت اور ارکانِ حکومت میں ہوتا ہے !"

ظریف نے واپس آکر قاضی سے بھی بات کہہ دی ،

قاضی صاحب نے کہا :

" وہ دونوں میرے پاس آئیں ، میں اُن سے پوچھ گچھ کروں گا ۔ اگر میں نے ان کی شہادت قابل قبول سمجھی تو قبول کر لوں گا ، ورنہ رد کر دوں گا !"

لیکن معتضد نے ان دونوں کو اس لئے گواہی دینے نہیں بھیجا کہ ممکن ہے ان کی شہادت قاضی صاحب رد کر دیں ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معتضد کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا گیا اور خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود وہ کچھ نہ لے سکا ۔!

(العقد الفرید)

(۲۰۹)

قاضی اور خلیفہ!

دار قطنی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبدالرحیم بن قاضی اسمٰعیل سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میرے والد (قاضی اسمٰعیل) کی تولیت میں ایک یتیم لڑکا تھا، اُس کی ماں کی بہن قصرِ خلافت میں رہتی تھی۔ لڑکا جب ذرا بڑا ہوا تو اُس کی ماں نے اپنی بہن سے کہا:

"کسی دن موقعہ پاکر امیرالمومنین سے عرض کرو کہ قاضی اسمٰعیل اب میرے لڑکے پر سے پابندی اُٹھالیں۔ اور وہ اپنے باپ کے مال و منال میں سے جو چاہے خرچ کر سکے۔"

بہن نے موقعہ پاکر یہ درخواست خلیفہ کے گوش گزار کی، خلیفہ معتضد باللہ نے عبید اللہ بن سلیمان بن وہب کو بلایا جو اُس کا وزیر تھا، اور کہا:

"قاضی اسمٰعیل سے کہہ دو کہ وہ فلاں یتیم لڑکے کے اُوپر سے پابندیاں ہٹالیں!"

عبید اللہ نے قاضی اسمٰعیل سے کہا :

"امیر المؤمنین نے آپ کو حکم دیا ہے کہ فلاں یتیم لڑکے کے اُوپر سے پابندیاں ہٹا لیجئے، اور اُس کا مال و منال واگزار کر دیجئے !"

قاضی اسمٰعیل نے جواب دیا :-

"دیکھا جائے گا !"

پھر قاضی صاحب نے لڑکے کے بارے میں دریافت کیا انھیں معلوم ہوا کہ ابھی وہ سن رشد کو نہیں پہونچا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے پابندیاں جاری رکھیں،

کئی ہفتے گزر گئے !

لڑکے کی ماں نے پھر اپنی بہن کو یاددہانی کی، وہ پھر امیر المؤمنین کے پاس پہونچی، اور عرض گزار ہوئی۔ معتضد نے کہا :

"کیا میں نے واگزاری کا حکم نہیں دے دیا تھا ؟"

وہ بولی :

"بے شک آپ نے حکم دیا تھا، مگر اب تک اس کی تعمیل نہیں ہوئی !"

معتضد نے فوراً اپنے وزیر عبیداللہ کو طلب کیا، اور کہا:

"میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ قاضی اسمٰعیل تک میرا یہ فرماں پہونچا دے کہ فلاں لڑکے کا مال واگزار کردیا جائے، پھر کیا ہوا؟"

عبیداللہ وزیر نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا:

"میں نے قاضی اسمٰعیل سے اُسی وقت کہدیا تھا، اُنھوں نے جواب دیا" دیکھا جائے گا!"

معتضد نے کہا:

"پھر قاضی صاحب کے پاس جاؤ، اور اُنھیں یہ میرا فرمان پہونچا دو!"

عبیداللہ نے پھر قاضی صاحب سے کہا:

"امیرالمؤمنین نے آپ کو حکم دیا ہے کہ فلاں لڑکے کا مال واگزار کردیا جائے!"

قاضی صاحب نے ذرا دیر کے لئے سر جھکا لیا، پھر قلم دوات مانگا، کچھ لکھا، مہر لگائی، اور کہا:

"یہ امیرالمؤمنین تک پہونچا دیجئے، اس میں اُن کے ارشاد کا جواب مرقوم ہے!"

وزیر عبیداللہ نے وہ خط لیا، اور سیدھا معتضد باللہ

کے حضور میں حاضر ہوا، اور خط دیتے ہوئے ناگواری کے ساتھ کہا:

"قاضی صاحب کا خیال ہے کہ اس تحریر میں آپ کے فرمان کا جواب موجود ہے!"

معتضد باللہ نے وزیر کے ہاتھ سے وہ خط لے لیا، کھولا پڑھا، پھر الگ رکھدیا، اور کہا:

"اب قاضی صاحب سے اس معاملہ میں کچھ نہ کہا جائے!"

عبید اللہ وزیر نے وہ خط اُٹھا کر پڑھا تو اُس میں لکھا تھا:

"یا داؤد انّا جعلناك خليفة فى الارض،
فاحكم بين النّاس بالحق، ولا تتّبع الهوىٰ،
فيضلك عن سبيل الله!"

یعنی:

"اے داؤد! ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا، پس لوگوں کے مابین حق کے ساتھ حکومت کر، خواہشات کے پیچھے نہ چل، وہ تجھے اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گی۔"

(العقد الفرید)

(۲۱۰)

احنف بن قیس!

احنف بن قیس اپنے علم اور بُردباری، عفو و درگزر، اور ضبطِ نفس کے اعتبار سے یگانہ اور فرد فرید مانے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص ان سے جھگڑ پڑا، اور اُس نے کہا:

"آپ نے اگر ایک کہی، تو میں دس سناؤں گا، یہ یاد رہے!"

"احنف نے جواب دیا،

"میرے بھائی، اگر تم دس سُنا لوگے، مجھ سے ایک جب بھی نہ سنو گے!"

وہ شرمندہ ہوکر خاموش ہوگیا!

احنف کے بارے میں اس طرح کی اور بھی بہت سی دوسری حکایتیں مشہور ہیں جن سے ان کے عفو و درگزر، اور حلم و بردباری نمایاں ہوتی ہے۔ ان تمام حکایات کا ماحصل اور لبِ لباب یہ ہے کہ اگر انسان دوسرے کی غلطیاں نظرانداز

کرنے کی عادت ڈال لے، تو خود بھی ذہنی اور قلبی اذیتوں سے محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے نہ صرف کوئی تکلیف نہیں پہونچتی، بلکہ اس کے طرزِ عمل اور حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر وہ خود بھی راہ یاب ہو جاتے ہیں!

اسرار و حکم

(۲۱۱)

حضرت علی کی وصیّت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن رضؓ سے نصیحت و وصیت فرماتے ہوئے کہا:

"اے میرے بیٹے!

اپنے نفس کو ترازو بنالے، جو تیرا اور تیرے غیر کا معاملہ ٹھیک ٹھیک تیرے سامنے تول دیا کرے۔ دوسرے کے لئے بھی وہی پسند کر جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تجھ پر احسان کیا جائے تو دوسرے کے ساتھ بھی احسان کا سلوک کر، جو چیز تو دوسروں کی ناپسند کرتا ہے۔ اپنے اندر سے بھی اُسے نکال دے، تو لوگوں سے راضی رہ وہ تجھ سے راضی اور خورسند رہیں گے۔ وہ بات منھ سے نہ نکال جس کا تجھے علم نہیں، وہ

بات بھی منہ سے نہ نکال، جس کے بارے میں تو نہیں چاہتا کہ لوگ تیرے لئے کہیں!"

(۲۱۲)

حضرت عمرؓ گھر کے اندر!

ایک شخص جس کا نام عامر تھا، ایک مرتبہ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا، اس شخص کو حضرت نے ایک اچھے عہدے پر مقرر کر رکھا تھا۔ یہ شخص جب پہونچا، تو اُس نے دیکھا کہ حضرت عمر لیٹے ہوئے ہیں، اور آپ کے بچّے آپ کے پیٹ پر چڑھے ہوئے کھیل رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھکر عامر کے چہرے پر ناگواری کے اثرات پیدا ہوئے۔

حضرت عمر نے اس کی کیفیت بھانپ لی، اور دریافت کیا:

"تمہارا سلوک اپنے گھر والوں کے ساتھ کیسا ہے؟"

جواب دیا:

"جب میں گھر میں داخل ہوتا ہوں، تو بولتے ہوئے لوگ خاموش ہو جاتے ہیں!"

حضرت نے فرمایا:

"تم اُمتِ محمدی کے ایک فرد ہونے کے باوجود یہ نہیں

جانتے کہ ایک مسلمان کو اپنے گھر والوں کے ساتھ کس
رفق و محبت، اور شفقت اور عطوفت کا برتاؤ کرنا چاہیے!"

(۲۱۳)

رسولؐ کا برتاؤ حیوانوں کے ساتھ

(۱)

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے بعض اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے، کہ آپ کے سر مبارک کے اوپر ایک کبوتری پھڑپھڑاتی ہوئی آئی، وہ بہت گھبرائی ہوئی، اور سہمی ہوئی سی تھی، آپ نے فرمایا:

"اِس کبوتری کو کس نے تکلیف پہونچائی ہے!"

ایک صحابی نے عرض کیا:

"میں نے اس کے انڈے لے لئے ہیں!"

فرمایا:

"وہیں رکھدو جہاں سے اُٹھائے تھے!"

(۲)

ایک مرتبہ رسالت مآبؐ نے ایک بلّی کو دیکھا کہ پیاس سے بے حال ہو رہی تھی۔ آپؐ نے پانی سے بھرا ہوا برتن خود اپنے دست مبارک سے اس کی طرف بڑھایا۔

بلی نے خوب سیر ہو کر پانی پیا، اور جس راستے سے آئی تھی، اُسی راستے چلی گئی!"

(۳)

روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ ایک سفر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھیں، وہ ایک سانڈنی پر بیٹھی تھیں، اتفاق سے سانڈنی کی رفتار میں کسی تکلیف کے سبب کچھ فرق تھا۔ حضرت عائشہ بار بار اُسے کوچتی تھیں، اور مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھاتی تھیں۔

یہ منظر دیکھ کر رحمۃ اللعالمین سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ سے سانڈنی کا یہ حال نہ دیکھا گیا۔ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رض سے فرمایا:۔

"اے عائشہ، رحم کرو، رحم!"

حضرت عائشہ یہ سنتے ہی باز آ گئیں۔ ان روایات و واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسولِ اُمّی کو، صرف بنی نوع بشر ہی کا نہیں بلکہ حیوانات تک کی تکلیف اور مصیبت کا کتنا زیادہ احساس تھا۔ اور آپ صحیح معنی میں رحمۃ اللعالمین تھے یعنی صرف مسلمانوں کیلئے، صرف انسانوں کیلئے نہیں بلکہ تمام جانداروں کیلئے، خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان!

(۲۱۴)

امام حنبلؒ کی روایت حدیث

امام احمد بن حنبل کو خبر ملی کہ ماوراءالنہر میں ایک شخص عالم ہے، جو احادیث ثلاثیہ کی روایت کرتا ہے۔ یہ خوشخبری سُن کر امام احمد بن حنبل نے فوراً کوچ کی ٹھانی، اور قطعِ منازل کرتے ہوئے وہاں پہونچے۔

وہاں پہونچ کر دیکھتے کیا ہیں کہ وہ حضرت بڑے انہاک اور شغف سے ایک [illegible] کتے کو کھانا کھلا رہے ہیں۔ امام احمد [illegible] نے سلام کا جواب دیا، اور پھر [illegible] یعنی کُتے کو کھانا کھلانے میں مصروف [illegible] حنبل کی طرف سے توجہ ہٹالی۔

[illegible] ہی دل میں ناگوار گزری، کہ [illegible] پر تو یہ التفات، اور ایک انسان سے یہ بے رُخی۔

جب وہ کتے کو خوب سا کھانا کھلا چکے، تو امام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:-

شاید تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ مَیں کتّے کی طرف تو متوجہ رہا، لیکن تمہاری طرف ملتفت نہیں ہوا؟"

امام نے فرمایا:

"آپ سچ فرماتے ہیں!"

کہنے لگے:

"حدثنی ابوالزناد عن الاعرج، عن ابی هريرة رضی الله عنه، ان النبی صلی الله علیه وسلم قال من قطع رجاء من ارتجاه، قطع الله رجاءه یوم القیامة فلن یلج الجنة۔"

یعنی:

"ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کسی امیدوار کی اُ[illegible] اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اُس کی اُمید قطع [illegible] اور وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا!"

پھر اُنھوں نے کہا:

"میں نے اس کتّے کی اُمید منقطع کرنا مناسب نہیں سمجھا، کیونکہ یہ میرے پاس اُمید اور آرزو کے ساتھ آیا تھا۔"

امام احمد نے فرمایا:

"یہ حدیث میرے لئے بہت کافی ہے —!"

پھر وہ واپس چلے گئے۔

اِس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو حیوان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیئے، جب وہ اُمید لے کر اُس کے پاس آئے، اُس کا فرض ہے کہ اُسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچائے، بلکہ جو کچھ ہو سکے، اس کے لئے کرے!"

---

(۲۱۵)

حضرت ابوبکرؓ کی استقامت

آنحضرتؐ نے جب اِس دنیا سے کوچ فرمایا، توحضرت عمرؓ اس درجہ سراسیمہ ہوئے کہ تلوار سونت کر کھڑے ہوگئے، اور کہا: "جو کہے گا کہ رسول اللہ نے وفات فرمائی، اس کی گردن ماردوں گا۔"

اسی اثنا میں حضرت ابوبکر تشریف لے آئے، آپ نے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا:-

"من کان یعبد محمدا فان محمدا قد [illegible]
ومن کان یعبد الله فان الله [illegible]

یعنی، جو کوئی محمدؐ کی پوجا کرتا تھا اُسے معلوم [illegible] کہ اُنھوں نے وفات فرمائی، اور جو خدا کی پرستش کرتا تھا اُسے جاننا چاہیئے کہ خدا زندہ ہے، اور کبھی نہیں مرے گا!"

یہ سنتے ہی حضرت عمر جیسے ہوش میں آگئے،
اور سب کی آنکھیں کھُل گئیں!